سندھ اور اس
تہذیب
سر مورٹیمر وہیلر

وادیِ سندھ

اور

اس کے بعد کی تہذیبیں

مصنّف

سر مورٹیمر وھیلر

ترجمہ

زبیر رضوی

ترقیِ اُردو بیورو ، نئی دہلی

سنہ اشاعت — 1980 — 1901 شک

پہلا اُردو اڈیشن 1000

CIVILIZATIONS OF

THE INDUS VALLEY AND BEYOND

BY

SIR MORTIMER WHEELER

قیمت: -/8 روپے
کتابت: لقاالرحمان
سرورق: راج بھنوٹ

ڈائرکٹر، بیورو فار پروموشن آف اُردو، (ویسٹ بلاک 8 آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی 110022) نے ترقی اُردو بیورو، وزارتِ تعلیم و ثقافت حکومت ہند، کے لیے اے۔ جے۔ پرنٹرز سے چھپوا کر شایع کیا۔

پیش لفظ

اردو زبان کی ترویج واشاعت کے لیے حکومت ہند کی وزارت تعلیم وثقافت کے تحت ترقی اردو بیورو کے ذریعے جن لائحوں اور منصوبوں کو عملی شکل دی جارہی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مختلف جدید علوم پر کتابیں ماہرین سے لکھوائی جائیں اور ان علوم سے متعلق اہم مغربی و مشرقی کتابوں کے تراجم شائع کیے جائیں جو نہ صرف زبان بلکہ قوم کی ترقی میں بھی مفید و معاون ثابت ہوں۔

اس منصوبے کے تحت ترقی اردو بیورو اب تک خاصی تعداد میں کتابیں شائع کر چکا ہے۔ ان میں شعروادب، تنقید، لسانیات، تاریخ، جغرافیہ، سیاسیات، تجارت، زراعت، امور حکومت، معاشیات، عمرانیات، قانون، طب، فلسفہ اور نفسیات پر اعلیٰ کتابوں کے علاوہ تعلیم بالغان، بچوں کے ادب، سائنس اور تکنیکی علوم سے متعلق ایسی کتابیں بھی شامل ہیں جو اردو کی نصابی ضرورتوں کو بھی کسی حد تک پورا کر رہی ہیں۔ ان موضوعات پر اچھی آسان اور معیاری کتابوں کی جو کمی اردو حلقوں میں شدت سے محسوس کی جارہی تھی وہ بیورو کے ذریعہ آہستہ آہستہ پوری ہو رہی ہے۔ ترقی اردو بیورو کی شائع کردہ کتابیں حسن طباعت کا ایک معیار قائم کرتی ہیں اور ان کی قیمت بھی نسبتاً کم رکھی جاتی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ان کتابوں کی مقبولیت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

ترقی اردو بیورو کے جامع منصوبوں کے تحت اردو انسائیکلوپیڈیا، اردو لغت (کلاں) اردو لغت (برائے طلبہ) انگریزی اردو لغت، اردو انگریزی لغت، بنیادی متون کی اشاعت، اردو کتابیات کی تیاری اور مختلف علوم کی اصطلاح سازی کے کام بھی جاری ہیں۔ ان کی تکمیل کے لیے ہمیں ملک بھر کے ماہروں کا تعاون حاصل ہے۔

زیر نظر کتاب ترقی اردو بیورو کے اشاعتی پروگرام کا ایک جز ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اردو داں حلقوں میں اس کتاب کی بھی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

شمس الرحمٰن فاروقی

ڈائریکٹر، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی

مندرجات

دیباچہ

یہ مقالا اولاً ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اب اسے ترمیم اور اضافے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مدت میں بالخصوص تہذیبِ سندھ، اس کے پھیلاؤ، عہد کے تعین اور اس کے اختتام۔ کے حالات کے متعلق قابلِ قدر نئی شہادتیں سامنے آئی ہیں، ہندوستانی پاکستانی، انگریز، فرانسیسی اور امریکی محققین ان مسئلوں کے بارے میں غور و فکر کرتے رہے ہیں چونکہ یہ مسائل دنیا کی ابتدائی تین تہذیبوں میں سے ایک سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ نتائج کسی حد تک عام دلچسپی کے حامل ہیں۔

نئی معلومات کے لیے میں آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کا شکر گزار ہوں جس کے ڈائرکٹر جنرل شری اے۔ کے۔ گھوش ہیں۔ ساتھ ہی میں پاکستانی محکمۂ آثارِ قدیمہ کا ممنون و متشکر ہوں۔ جو ڈائرکٹر ایف۔ اے۔ خاں کی نگرانی میں عمل پیرا ہے۔ بعض یونیورسٹیوں نے بھی، جو اَب آثار قدیمہ کے میدان میں بڑھ کر حصہ لے رہی ہیں، میری امداد کی ہے۔ میں خاص طور سے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر نور الحسن اور دکن کالج پونہ کے پروفیسر ایچ۔ ڈی۔ سنکالیہ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔ میں پیرس کے (Commission des Fonilles Archeologiques) کے ایم جین میری کا سل (K.M. Jean) اور پینسلوینیا (Pennsylvania) یونیورسٹی میوزیم کے ڈاکٹر (Marie casal) جارج ایف ڈیلز کا بھی شکر گزار ہوں۔ یہ دونوں حضرات وادیٔ سندھ اور اس کے بعد کے تمدنوں کے متعلق سرگرمی سے کام کرتے رہے ہیں۔
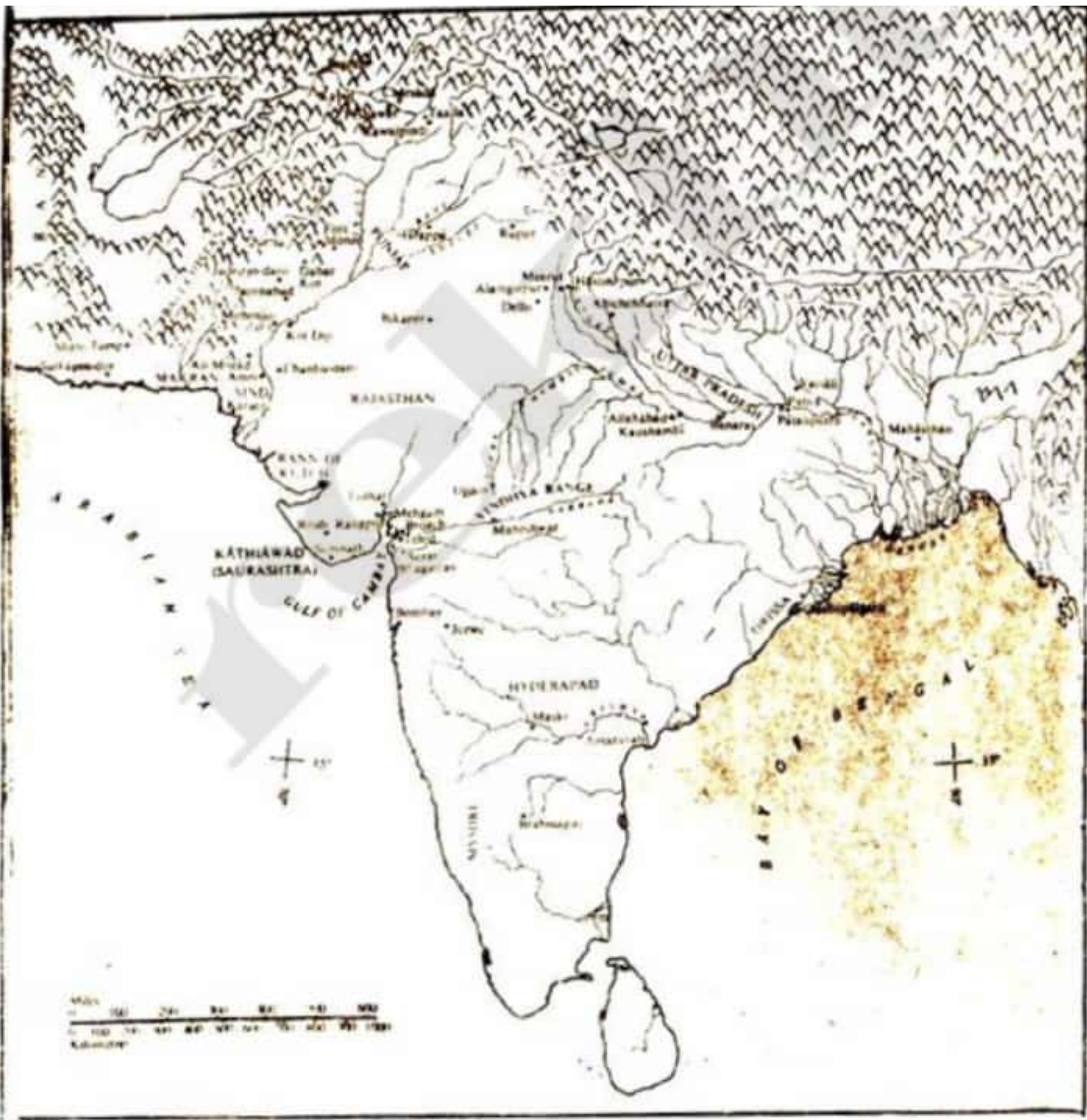
برصغیر ہند و پاک

باب اوّل

ابتدائیہ

تہذیب کا محدود ترین مفہوم شہروں میں رہنے کا قرینہ اور اس سے وابستہ سماجی اسالیب، ہُنر اور تنظیم ہے۔ اس سے ملتی جلتی صورتِ حال کا ایک نمونہ وہ کُھلے دیہات ہیں جو چار سے پانچ ہزار سال قبلِ مسیح، شمالی عراق کی ٹیلوں میں آباد تھے اور وہ خاصا بڑا قصبہ جو مغربی ترکی میں کونیہ کے پاس، چتال ہیوک میں سات ہزار سال قبل مسیح یا اس سے پہلے موجود تھا۔ لیکن یہ مقالہ تحریر کیے جانے کے وقت تک جریکو ہی وہ قدیم ترین شہر (Town) ہے جو دفاعی انتظامات کے لیے سنگین دیوار مینار اور چٹان کو کاٹ کر بنائی گئی خندق کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کا حامل ہے

کاربن چودہ کے طریقے سے معین کردہ عہد کے مطابق یہ شہر لگ بھگ آٹھ ہزار سال قبل مسیح آباد تھا۔ جریکو، اردن کی خشک وادی میں واقع ایک دل پسند چشمے کے گرد دس بارہ ایکڑ رقبے میں پھیلا ہوا تھا، یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہاں بسے ہوئے لوگوں نے شروع ہی سے پانی کے اپنے قیمتی وسیلے اور اپنی محدود معیشت کے بچاؤ کے لیے مضبوط حفاظتی انتظام کرنے کی ضرورت محسوس کی ہوگی۔ آئندہ جو تحقیق سے صورتِ حال کچھ اور نمایاں ہوگی۔

بہرحال جریکو پر، اس شہری حالت سے قبل کے اس گاؤں کی حیثیت سے غور کیا جائے جو وسطی عہد سنگ آباد تھا، تو بھی امکان ہے کہ سماجی ارتقا کی کہانی میں اس شہر کی انتہائی اہمیت برقرار رہے گی۔

وسیع تر پہلو سے بھی جیریکو سے ملنے والی معلومات کافی معقول ہیں۔ قدیم دنیا میں

عام ترین قسم کے اناج (سوائے چاول کے) جس کا ۱۰۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ پہلے علم نہیں تھا) گلّے والے، عام مویشی، جنگلی حالت میں مغربی ایشیا میں، ہمالیہ اور بحیرۂ روم کے درمیان پائے جاتے تھے۔

اس بات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بڑے پیمانے پر اناج کی کاشت سب سے پہلے اسی خطّے میں کی گئی اور یہ قدرتی امر ہے کہ اوّلین شہر، جن کا وجود بنیادی طور پر (فاضل) خوراک کی پیداوار پر منحصر تھا، وہیں آباد ہوئے، دوسرے لفظوں میں خوراک کی پیداوار اور شہری زندگی کا آغاز وسط ایشیا میں مسیح سے سات اور آٹھ ہزار سال قبل کے درمیانی عرصے میں ہوا (اس سلسلے میں امریکہ میں یا کسی اور جگہ میں بعد کے کسی زمانے میں علیحدہ طور پر خوراک کی پیداوار کا طریقہ ایجاد ہونے کا امکان زیر بحث نہیں)

میں نے ابتدائی جیریکو کے لیے شہر (Town) کا لفظ استعمال کیا ہے اور سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ جو آثار ملے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام پر گھنی آبادی اور مضبوط تحفظاتی انتظامات تھے، اس سے یہ بھی مطلب نکلتا ہے کہ ایک ترقی یافتہ انتظامیہ کی تشکیل ہو چکی تھی لیکن اس وقت جیریکو میں جس درجے کے طریق زندگی کا ہونا تسلیم کیا جاتا ہے، لفظ تہذیب کا عام مفہوم اس سے کچھ زیادہ کا حامل ہے۔ خاص طور سے اس میں حساب وکتاب کا ایک منظم طریقہ شامل ہے جس کے تحت آمدنی اور اجرتوں کا مناسب طور پر حساب رکھا جاسکے اور نظم وضبط کے ساتھ حکومت چل سکے اس لحاظ سے کسی نہ کسی طرح کے طرز تحریر کی موجودگی ایک ضروری شرط ہے۔ شاید جدید ذہن خواندگی کی اہمیت پر زیادہ سے زیادہ زور دینے پر مائل رہتا ہے (لیکن) یہ بات بھی یقینی ہے کہ وہ ذہن جو لکھ پڑھ نہیں سکتا، وہ حساب دانی اور یادداشت کے قابلِ ذکر اعجاز دکھا سکتا ہے۔ خیر اس بحث کو چھوڑ دیتے تحریر کو شہریت کی اہلیتوں میں من مانے طور پر شامل کر دینے سے کم از کم ایک سہل معیار ضرور قایم ہو جاتا ہے اور ہمارے طرزِ فکر میں باقاعدگی آجاتی ہے۔

اس بنیاد پر اب بھی یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ تہذیب کا طلوع میسوپوٹیمیا (Mesopotimia) میں ہوا۔ جہاں مسیح سے تین سے لے کر ساڑھے تین ہزار سال قبل قرن میں (ارک عہد میں (Uruk period) مندروں کا حساب کتاب سب سے

پہلے مٹی کی تختیوں پر کندہ تصویروں یا دیگر علامتوں کی صورت میں رکھا جاتا تھا، مقام اور وقت دونوں کے لحاظ سے یہ مناسب ہے کہ ہمالیہ کے جنوب میں تہذیب کے آغاز کا ایک جائزہ لینے میں میسوپوٹیمیا کو بنیادی حوالے کے طور پر استعمال کیا جائے۔

باب دوم

وادیِ سندھ کا تمدّن

(تقریباً ۲۵۰۰ سے ۱۷۰۰ قبل مسیح تک)

ارتقا یافتہ شہری کے زندگی کے ابتدائی دور کا آغاز ہمالیہ کے، نیچے کے خطے میں ہُوا اپنی اوّلین اور وسیع ترین جائے وقوع کی بنا، پر اس تہذیب کا نام وادیٔ سندھ کا تمدن پڑا۔

۱۹۲۱ء کے بعد سر جان مارشل اور ان کے ساتھیوں نے جو آثار دریافت کیے اُن سے ہندوستان کو ماقبل تاریخ عہد کے تقریباً دو ہزار زریں سالوں کا اضافہ حاصل ہو گیا اور دنیا کو اس کی تین قدیم ترین تہذیبوں میں سے ایک سب سے بڑی تہذیب کا علم ہوا۔ ہند اور پاکستان میں اب جو کھوج جاری ہے اُس سے اس تہذیب کے بارے میں ہماری معلومات میں ٹھوس اضافہ ہو رہا ہے آئندہ صفحات میں نئی اور پرانی تحقیق کے نتائج کو ملا کر اور بہت زیادہ تخصیص کے بغیر اس موضوع کا ایک خاکہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

چنانچہ اس طرح جو ترمیم شدہ اور وسیع تر خاکہ سامنے آئے گا اس میں مسیح سے قبل کے تین سے لیکر دو ہزار سالوں کا عہد شامل ہو گا مسیح سے قبل پہلے ہزار سالوں کی مدت کے متعلق بھی کچھ باتیں پیش کی جائیں گی۔

سندھ کی تہذیب کا جنم کہاں سے ہوا؟ اس کے متعلق ۱۹۶۵ء تک بہت کم نئی باتیں سامنے آئی ہیں اگرچہ پرانی شہادتوں کو وقتاً فوقتاً پیٹ پاٹ کر نئی صورت دینے کی کوشش کی گئی ہے، جو شہادتیں ملی ہیں ان کی عام نوعیت خاصی واضح ہے لیکن ان کی تفصیل کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا مختصر لفظوں میں صورتِ حال کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

قبل مسیح چوتھے اور تیسرے ہزار سالہ قرون میں ایران کی سطح مرتفع میں سیدھے اوپر اٹھتے ہوئے پہاڑ اور ان کے دونوں جانب نیچے پھیلتے ہوئے دجلہ فرات اور سندھ کے دریائی وادیوں و الے میدانوں میں مختلف معاشرے کے لوگ آباد تھے ان کی ٹیکنالوجی بنیادی طور پر متاخر حجری عہد کی تھی لیکن وہ دھیرے دھیرے پتھر، کانسے کے عہد Chaleo liThic کے اسالیب ہند کی طرف ترقی کر رہے تھے ان لوگوں کے دیہات کا معاشرہ مویشی پالنے اور کچھ زراعت کرنے پر مبنی تھا اور اس وجہ سے یہ دیہات اس حد تک پائیداری حاصل کر چکے تھے کہ وہ (Tells) کی شکل اختیار کر لیں لیکن کسی حد تک خانہ بدوش زندگی کا بھی سلسلہ تھا جیسا کہ آجکل بھی اس طرح کے معاشرے میں رہنے والے لوگوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔

عام طور سے اس وسیع دیہی سماج کو میسوپوٹیمیا کے اوّلین شہری ارتقا کا آغاز تصور کیا جاتا ہے وہاں بابل کی پختہ تہذیب سے ٹھیک پہلے عبید تمدن کی ابتدا مشرق کی جانب سے آئے ہوئے شاید (SUSA) کے راستے سے آئے ہوئے اثرات میں تلاش کی گئی ہے اور اس کی مغربی توسیع کی توضیح ایک محفوظ مگر غیر یقینی قیاس کے مطابق کسی طرح کے وسعت پذیر عمل اور اندرونی انضباط کے عنصر سے کی گئی جس نے جنوبی اور وسطی فارس کے قبائلی سماجوں کو اثر انداز کیا۔

سندھ اور میسوپوٹیمیا کی تہذیبوں میں جو بنیادی فرق ہے اسے دیکھتے ہوئے اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ کسی نزدیکی ربط کے باعث تہذیبی اختلاط عمل میں آیا ہو، اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ گنگا اور وسط ہند کے تمدنوں کے بارے میں ہماری معلومات اتنی کافی ہیں کہ اور زیادہ مشرق یا جنوب میں اس تہذیب کے آغاز کا امکان نظر نہیں آتا، چنانچہ ہم یہی نتیجہ اخذ کر پاتے ہیں کہ کم از کم اپنے مادی پہلوؤں کے اعتبار سے سندھ کی تہذیب کا فوری آغاز بلوچ یا ایرانی سرحدی خطے سے ہوا۔ اس تہذیب کے نسبتاً مادی مگر اس قدر اہم پہلو ایک مختلف کہانی پیش کرتے ہیں۔

موہن جو داڑو اور ہڑپہ

سب سے پہلے سندھ کی تہذیب کی ہیئت اور جوہر کے بارے میں کچھ کہنا ہوگا۔ اس وقت اس کا سب سے واضح علم موہن جو داڑو (یا موئنجو داڑو) اور ہڑپہ سے ہوتا ہے، جو اس تہذیب کے سب سے بڑے شہر تھے۔ موہن جو داڑو سندھ میں دریائے سندھ کے کنارے اور
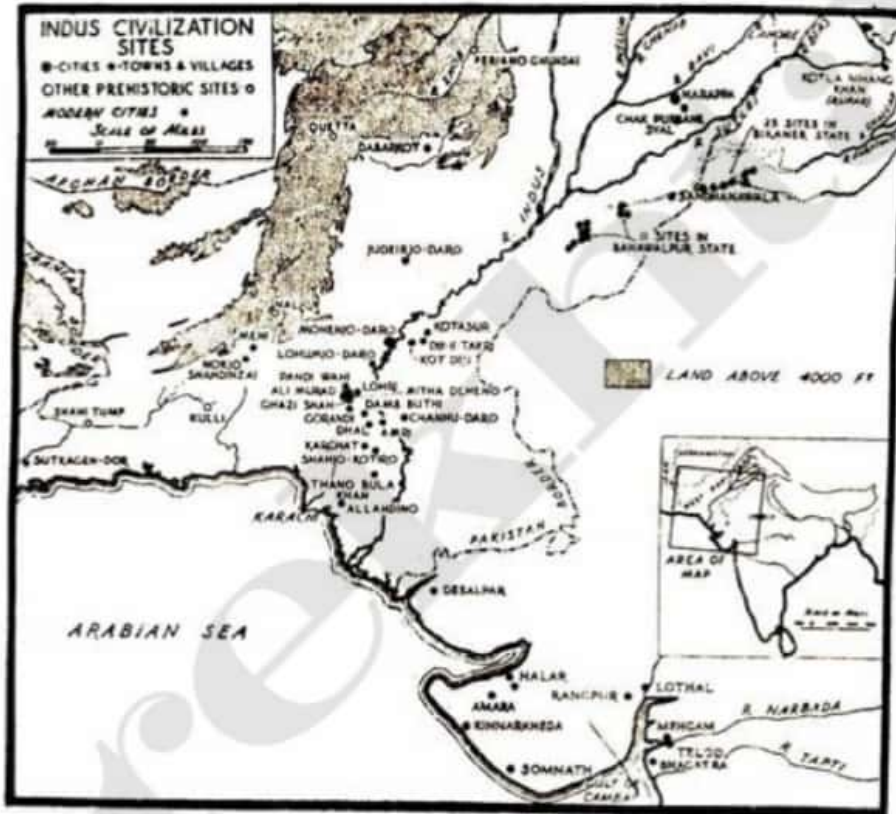
تصویر ۲ - (نقشہ) وادیٔ سندھ کے مقامات - ان میں ہڑپہ کے ۱۰۰ میل جنوب میں واقع کالی بانگن اور موہن جوداڑو کے ۶۰۰ میل مشرق میں واقع عالمگیر پور نہیں دکھائے گئے ہیں -

ہڑپہ اس سے کوئی چار سو میل شمال مشرق کی سمت پنجاب میں اس کی معاون ندی راوی کی پرانی گذرگاہ کے پاس واقع تھے ، دونوں شہر تین میل سے زیادہ گھیرے میں پھیلے تھے . ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں شہری منصوبہ بندی کے کچھ واضح اور ترقی یافتہ قاعدوں کے مطابق بنائے گئے تھے . موہن جوداڑو کا سب سے اونچا مقام ایک ٹیلہ تھا . اس کی اونچائی ۵۰ فٹ تک تھی اور شاید وہ ایک قلعہ تھا جو مستطیل بلاکوں سے بنی شطرنج کی بساط جیسے پلان پر بنائے ہوئے شہر کے ایک سرے پر واقع تھا . ہڑپہ میں بھی ایسا ہی ٹیلہ شناخت کیا گیا ہے - وہاں کافی الٹ پھیر ہوئی ہے پھر بھی گمان یہی ہے کہ وہ ٹیلہ بھی ویسے ہی محلوں کی ساخت کے ساتھ واقع تھا -

تصویر ۳ ۔ ابتدا ہیں موہن جو داڑو میں ایک مصنوعی ٹیلا یا قلعہ تھا جو ۵۰ فٹ تک اونچا تھا اور مکانوں کے مستطیل بلاکوں کی شطرنج کی بساط جیسی پلان کے پاس ایستادہ تھا۔ یہ تصویر کھدائی سے برآمد شدہ سڑکوں اور مکانوں کے پار زمانۂ مابعد کا بودھ ستوپ دکھاتی ہے اور جو اب قلعے والے حصے کا سب سے بلند مقام ہے اور سارے نظارے پر حاوی ہے۔ ستوپ کے نیچے کے ٹیلے کی ابھی کھدائی نہیں کی گئی ہے لیکن یہ نظریہ غیر اغلب ہے کہ بودھ مُٹھ وادی سندھ تہذیب کے ایک مندر کو دبائے ہوئے ہے کیونکہ دونوں کے درمیان کی مدت لگ بھگ دو ہزار برس ہے۔

موہن جو داڑو کا ٹیلہ پختہ اینٹوں اور ٹھوس میناروں کے ذریعے مضبوط کیا گیا تھا۔ جنوب مشرقی کونے پر کھدائی سے برآمد ہونے والے ایک مجموعے میں سب سے پہلے جو مینار ملا اس میں اینٹوں کے اندر لکڑی کی چُنائی کی گئی تھی۔ ٹیلے کی چوٹی پر جن عمارتی ساختوں کا پتہ چلا ہے اُن میں ایک حمام یا تالاب تھا جو بڑی ہوشیاری سے بنایا گیا تھا اور اس پر مسالے کا لیپ کیا گیا تھا، اس کے پاس اینٹوں کا ایک اونچا چبوترہ تھا جو قلعے کی ڈھلوان کے سرے پر بنا تھا اُس پہ روشنی اور ہوا کے لیے بنائی گئی نالیوں کے ایک سلسلے کے اوپر لکڑی کا ایک بہت بڑا

تصویر ۳۔ (نقشہ) موئن جو داڑو کے جزوی طور پر ٹوٹ پھوٹ چکے قلعے کا نقشہ

غلّہ گودام تعمیر کیا گیا تھا۔ اس گودام کے ایک طرف آدمی اونچائی پر ایک لدائی کا چبوترہ تھا،
اس کے نیچے اندر کی طرف جگہ بنی ہوئی تھی جہاں آس پاس کے گاؤں سے آنے والی اناج کی
گاڑیاں ہانک کر لے جائی جا سکتی تھیں، جنوب مشرقی مینار کی طرح اس گودام والے چبوترے
کی ساخت کے اندر بھی لکڑی چن دی گئی تھی، یہ غلط کام کیا گیا تھا، پرانے زمانے ہی میں، یہ لکڑی
گل سڑ گئی تھی اور کہیں کہیں بوسیدہ لکڑی کی جگہ اینٹوں کے پیوند لگا دیے گئے تھے، اگرچہ یہ
اونچی اور ٹھوس عمارتی ساخت اپنے بنیادی مقاصد کے لحاظ سے لازمی طور پر ایک مرے پر بنی تھی اور
اُس تک پہونچنا آسان تھا پھر بھی وہ قلعے کے حفاظتی انتظام کا ایک مضبوط حصہ رہی ہوگی۔

ٹیلے پر بنی دوسری عمارتوں میں کھمبوں والے دو وسیع کمرے اور بڑے تالاب کے
پاس (شاید مذہبی رسوم کے لیے) کوٹھریوں اور غسل خانوں کا ایک سلسلہ تھا۔ اس کے علاوہ ایک...

تصویر ۵ اور ٦ ۔ مٹی کے ڈھیلے، جن کا ایک ڈھیر سامنے دکھایا گیا ہے یہ بھدے طریقے سے پکائے گئے ہیں اور ہر ایک کا وزن چھ اونس ہے۔ ہوسکتا ہے یہ غُلیل کے ذریعے مار کرنے کے کام آتے ہوں۔ موہن جودارڑو کے قلعے کے جنوب مشرقی کونے پر دو میناروں کے درمیان والی اینٹوں کی منڈیر کے پیچھے ایسے اور ان سے بھی بڑے بارہ بارہ اونس والے مٹی کے ڈھیلے "اسلحہ کے گوداموں" کی شکل میں، جمع کیے گئے تھے۔ تصویر میں جس جگہ پر ایک آدمی کھڑا دکھائی دیتا ہے وہیں پر یہ ڈھیلوں کے ڈھیر ملے تھے۔ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس جگہ پر اینٹوں کی منڈیر کتنی بڑی تھی اور کتنی اچھی حالت میں پائی گئی ہے۔

لمبی عمارت (۲۳۰ × ۸۷ فٹ) تھی۔ اس کی کھدائی کرنے والے کئی شناخت کے مطابق یہ کسی بہت اونچے درجے کے افسر یا شاید اعلیٰ مذہبی پیشوا کی رہائش گاہ یا مذہبی رہنماؤں کی درس گاہ ہوئی۔ کچھ بھی قیاس کر لیجیے، بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ یہ کوئی معمولی مکان نہیں تھا۔ مستقبل میں کھدائی اور کھوج کرنے والوں کے لیے ابھی بہت کام باقی ہے، لیکن جو آثار ملے ہیں، وہ یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہیں کہ یہ تمام مذہبی اور غیر مذہبی دونوں طرح کے مقاصد کے

(تصویر ۷، ۸) کھنڈرات کو۔ دیکھ کر قیاس سے بنائی گئی محور نی یہ دو تصویریں موہن جو داڑو کے عظیم حمام کے دونوں طبقات دکھاتی ہیں۔ اوپر طبقہ روی اور بائیں طرف طبقہ دوم حمام کے شمال میں واقع عمارات ذاتی غسل خانوں اور کمروں پر مشتمل ہیں جو ہو سکتا ہے پجاریوں کے لیے ہوں۔
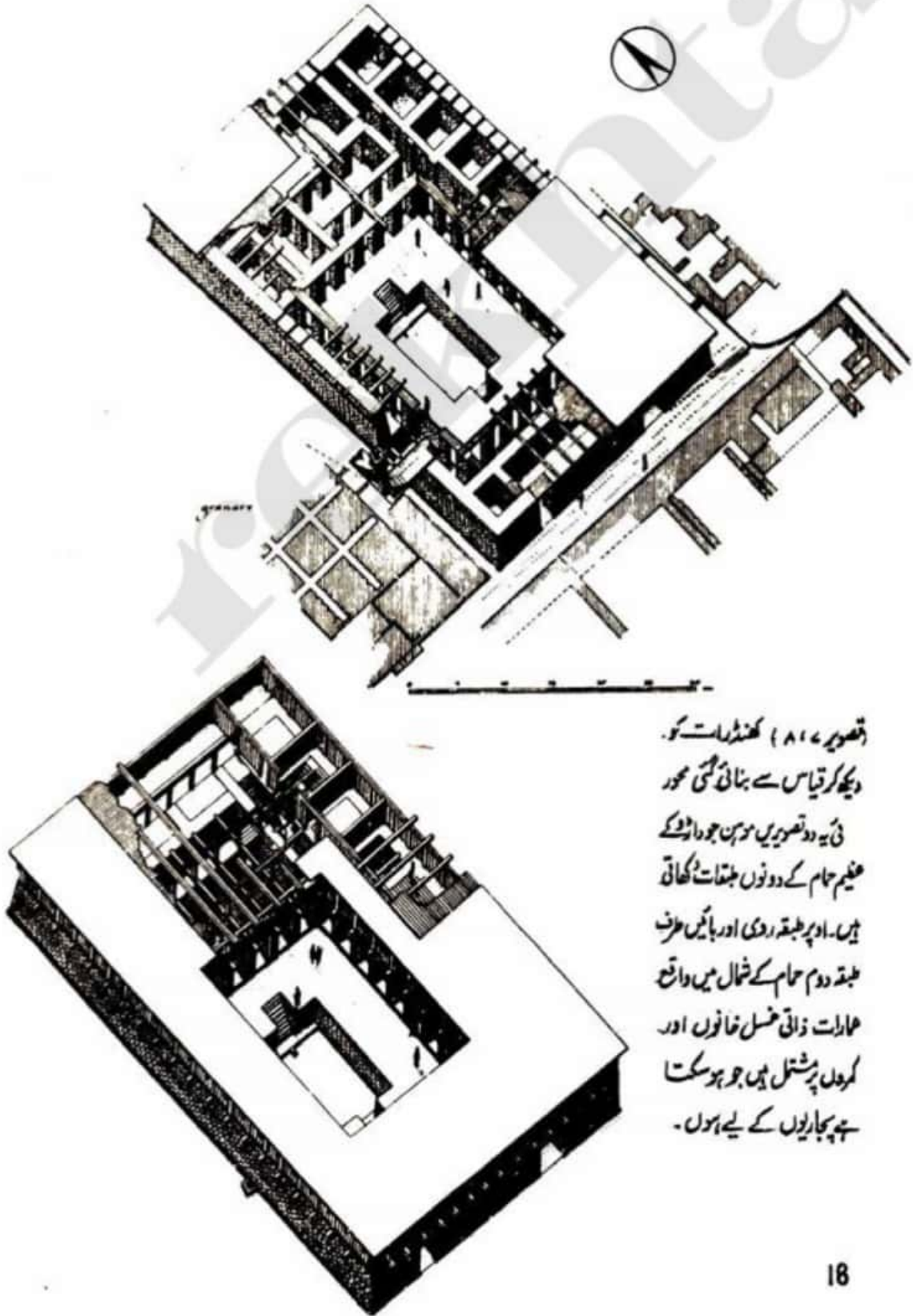
(تصویر ۹) موہن جوداڑو کے عظیم حمام کے شمالی اور جنوبی سروں پر اینٹوں کی سیڑھیاں نیچے تالاب میں اترتی تھیں۔ سیڑھیوں پر کولتار جیسی کسی چیز سے لکڑی کے تختے جمائے گئے تھے۔ تالاب کا فرش ۳۹ x ۲۳ فٹ تھا۔ تالاب کے پانی کو رسنے سے روکنے کے لیے بھی کولتار استعمال کیا گیا تھا۔ جنوب مغربی کونے کے پاس نکاس کی ایک اونچی ڈھکی ہوئی نالی تک جاتی تھی جو اناج کے گودام میں بنے لادنے کے اڈے کو آر پار کاٹتی تھی۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ حمام بعد کے زمانے میں بنا، سلامتی قیاس سے بنائی گئی تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حمام کے سب طرف برآمدے تھے اور ان میں سے تین کے عقب میں کمرے تھے ایک میں ایک بڑا دوہری دیوار والا کنواں تھا جہاں سے غالباً حمام کے لیے پانی آتا تھا۔

لیے سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس میں قرون وسطیٰ کے اور جدید ہند میں مذہبی رسوم کے لیے بنے تالابوں جیسا تالاب، لوگوں کے جمع ہونے کے ہال اور سرکاری غلہ گودام موجود تھے۔ اس گودام کی حیثیت ایک جدید قومی بینک جیسی تصور کی جاسکتی ہے، عام طور سے یہاں بادشاہ اور مذہبی پیشواؤں کی جس ملی جلی طرز حکومت کا اندازہ ہوتا ہے وہ قبل مسیح تیسرے ہزار سالہ قرن
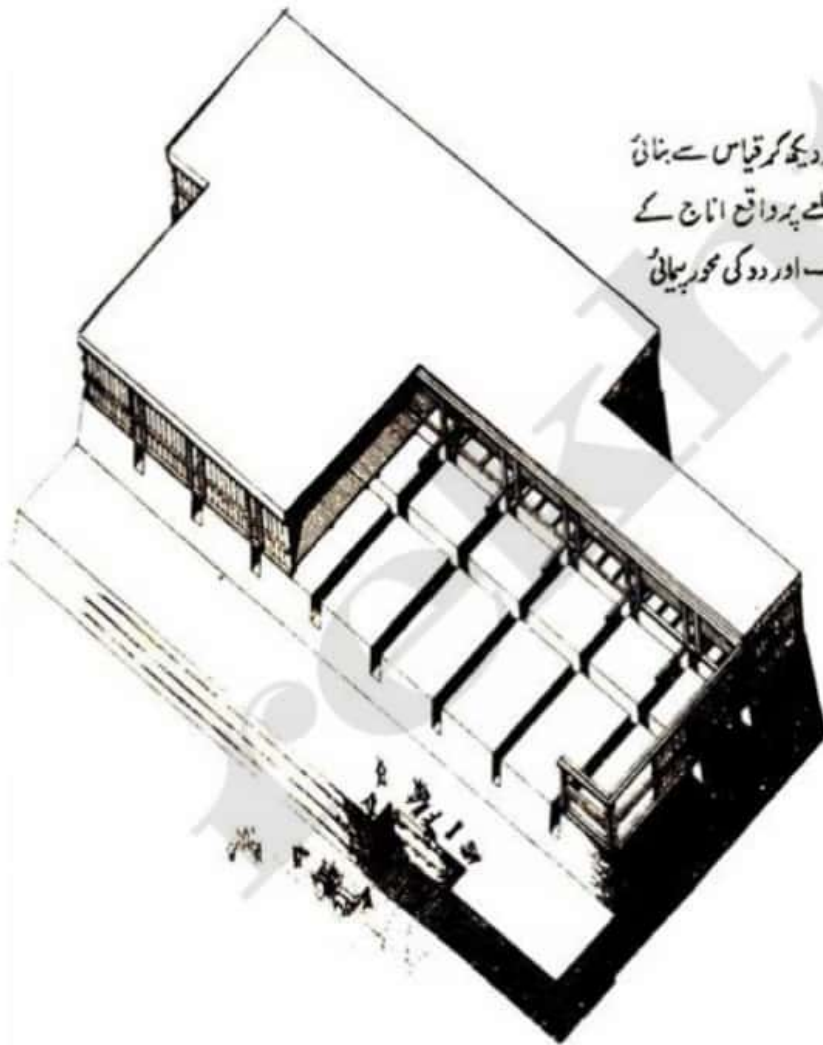
(تصویر ۱۰) کھنڈرات کو دیکھ کر قیاس سے بنائی گئی موہن جو داڑو کے قلعے پر واقع اناج کے گودام کے طبقات ایک اور دو کی محور پیمائی تصویر

کے طرز کے عین مطابق تھی۔

قلعے سے نیچے شہر، منظم قطاروں میں دریائے سندھ تک پھیلا تھا، جو بعد کے زمانے میں کوئی دو میل مشرق کی طرف ہٹ گیا ہے۔ ہو سکتا ہے پرانے زمانے میں دریا کی ایک شاخ شہر کے بیچوں بیچ گذرتی ہو، لیکن شہر کے نقشے کے زیادہ تر حصے میں ابتدائی عہد سے ہی ایک نمایاں ترتیب ملتی ہے، درحقیقت یہ باقاعدہ شہری منصوبہ بندی کی اب تک ظاہر ہونے والی سب سے پرانی مثال ہے۔ جنوب سے شمال کو جانے والی چوڑی سڑکیں تھیں جن کو دوسری سڑکیں عموداً کاٹتی تھیں۔ اس طرح بنے بلاکوں (ایسے سات بلاکوں کی شناخت کی گئی ہے اور مزید ایسے بلاکوں کی موجودگی کو فرض کر لیا گیا ہے۔ ان کا سائز ۴۰۰ × ۲۰۰ گز ہے) یا محلوں کو مزید بانٹنے

(تصویر ۱۱) موہن جوداڑو کا اناج کا گودام ایک اونچے چبوترے پر بنا تھا۔ ہوا اور روشنی کے گذر کے لیے راستے تھے۔ ابتدا میں اینٹوں کی چنائی سے بنے ۲۷ بلاک تھے باقاعدہ نقشے کے مطابق ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے راستے بنے ہوئے تھے۔ بعد میں اس کی توسیع کی گئی اور جزوی طور پر اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ تب اینٹوں کی سیڑھی بنائی گئی جو بالائی حصوں تک جاتی تھی
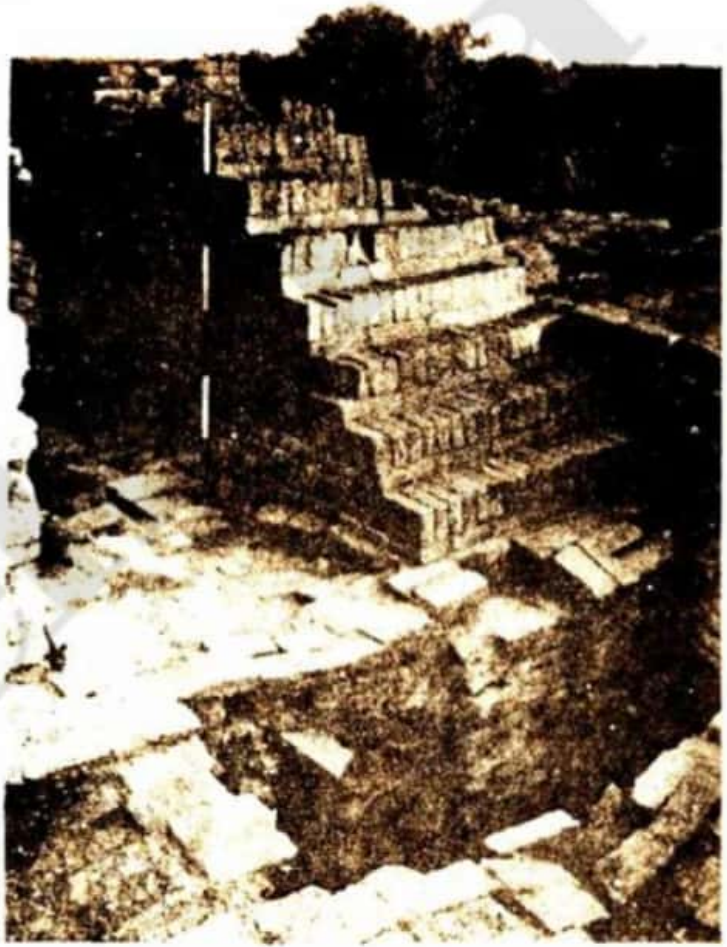
والی متوازی یا عمودی شکل کی گلیاں تھیں مکان اکثر بڑے اور کہیں کہیں کافی بڑے تھے ان میں بالخصوص ایک آنگن کے گرد کمرے بنے ہوتے تھے اور چھت یا بالائی منزل کے لیے سیڑھیاں تھیں، ایک غسل خانہ اور کہیں کہیں کنواں ہوتا تھا کسی کسی گھر میں نچلی یا بالائی منزل پر بیت الخلاء ہوا کرتا تھا۔ گلی بازاروں اور عمارتوں میں ہر جگہ اینٹوں کی نالیاں تھیں جو موہن جوداڑو اور اس کے دیگر مقامات پر اس تہذیب کی خصوصیت میں صفائی کے لیے معائنہ کرنے کو (ان نالیوں میں) پاٹے ہوئے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ قدیم ایشیا میں یہ اپنی طرز کا سب سے مکمل نمونہ ہے۔ سارے شہر سے یہ عیاں ہے کہ اس کے عروج کے وقت وہاں خوشحال متوسط طبقہ آباد تھا اور بلدیاتی نظام بڑے جوش و خروش سے چلایا جاتا تھا
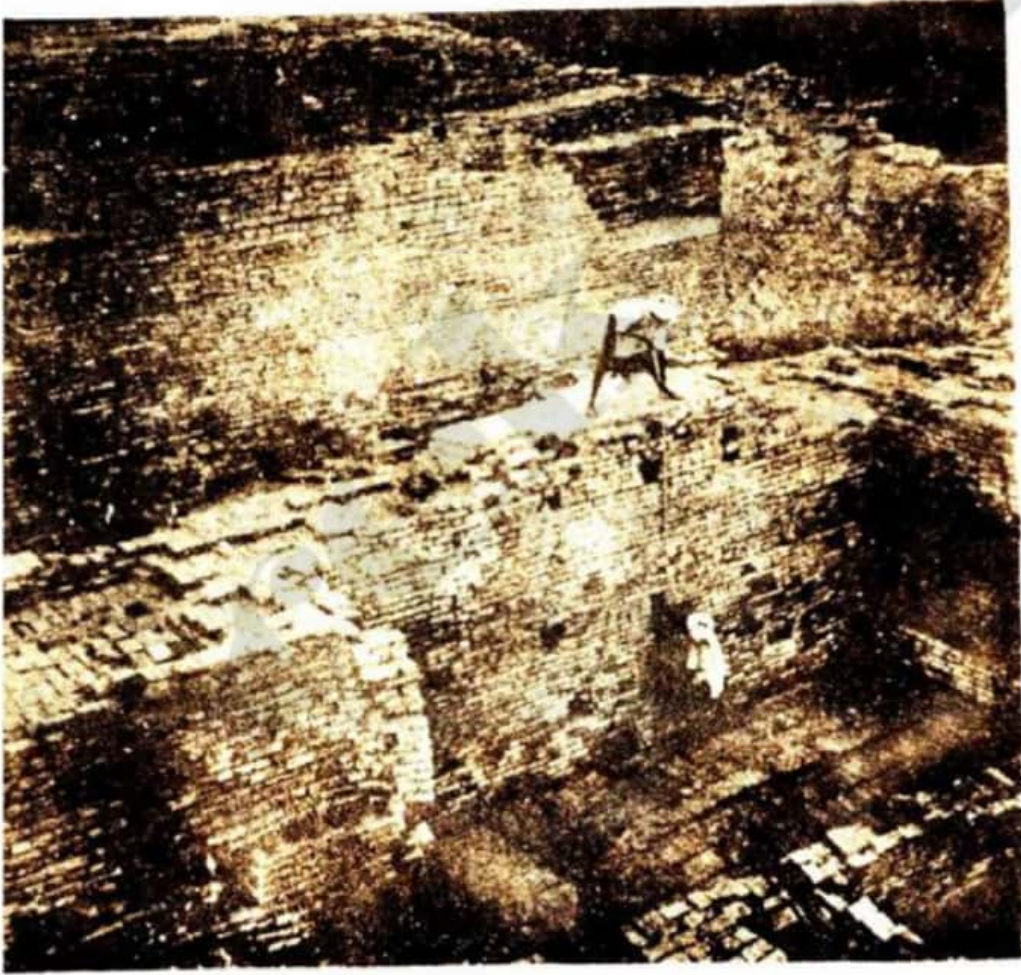
(تصویر ۱۲) اناج کا گودام موہن جو داڑو کی قلعہ بندی کے نیچے ڈھلان والے سرے پر تھا۔ اس کی شمالی طرف کے مشرقی کونے پر اندر کی طرف اناج اتارنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ تصویر میں جو آدمی رسی سے اوپر کو بوری چڑھا رہے ہیں ان سے اس تعمیر کے موجودہ سائز کا اندازہ ہوتا ہے سب سے اوپر بائیں طرف والا آدمی ہوا کے لیے بنی ایک نالی کے سرے پر جھکا بیٹھا ہے۔ ابتدا میں مضبوطی کے لیے لکڑی کے ڈھانچے پھنسے ہوتے تھے ۵ا انچ مربع شہتیروں کے گل جانے سے جو سوراخ بن گئے وہ صاف دکھائی دیتے ہیں۔

۱۲ : موہن جوداڑو کے اناج کے گودام کی یہ فرضی تصویر بہت حد تک آثارِ قدیمہ کی مہیا کردہ شہادتوں پر مبنی ہے جو سامنے والے کھنڈرات کے فوٹو میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں گاڑیوں کی ساخت اب بھی پائی جاتی ہے (تصویر ۶۲) اور موہن جوداڑو میں پائی گئی کھلونے کی بیل گاڑیوں سے بہت ملتی جلتی ہے (تصویر ۵۶) (نئی کٹی) فصل کے گٹھے اوپر گودام میں چڑھانے کا طریقہ فرض کر لیا گیا ہے لیکن اس بات میں زیادہ شک نہیں کہ یہی طریقہ استعمال کیا جاتا ہوگا۔
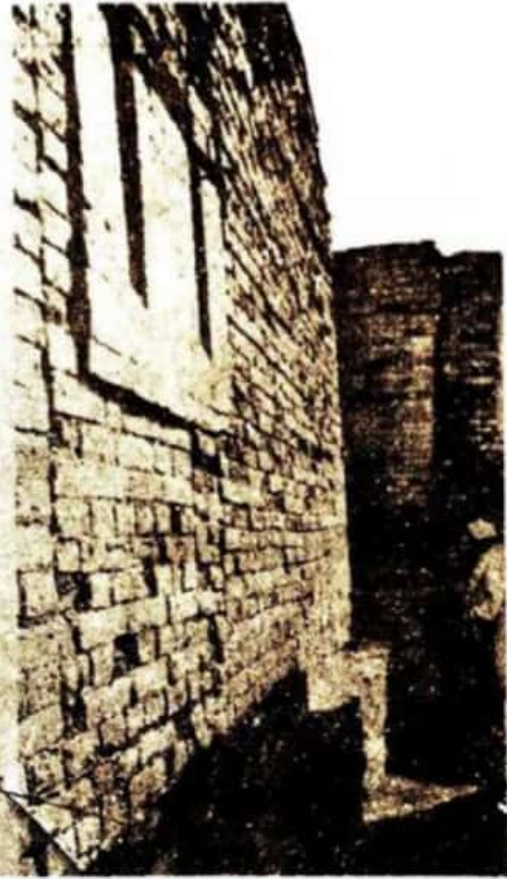
(تصویر ۲۴۔۲۵) اوپر: مٹی کے بنے ٹکڑے ڈھیلے (پوہاٹ ٹکڑے) غالباً جسمانی صفائی کے کام آتے تھے۔ یہ نالیوں میں اکثر پائے گئے ہیں۔ وادی سندھ کی تہذیب کے دوسرے مقامات مثلاً کوٹ ڈیجی اور عالمگیر پور کی خصوصیات ہیں۔ دائیں تصویر ۲۵ میں ایک عام نالی دکھائی گئی ہے اس کے کنارے بڑی اچھی طرح سے بنے ہیں۔ نالی ایک تنگ گلی میں ہے اور سرے پر جاکر عموداً مڑ جاتی ہے۔

مندروں کی واضح طور پر شناخت نہیں ہوئی ہے لیکن مزید جانچ سے غالباً اب تک برآمد ہوئے علاقوں میں دو یا تین مندروں کا پتہ چلے گا۔ بالخصوص ایچ۔ آر۔ ایریا میں واقع مکان اے ۱ وہاں ایک چھوٹی مگر مستحکم مستطیل عمارت ملی ہے جس تک پہونچنے کا ایک بیرونی دروازہ ہے۔ سامنے کی بناوٹ کے متوازی بالکل ایک جیسی ساخت کی دو سیڑھیاں ہیں۔ وہیں سے پتھر کی دو مورتیوں کے ٹکڑے بھی برآمد ہوئے ہیں۔ اسی علاقے میں ایک اور جگہ پر (بی پانچ میں) کوٹھریوں کا ایک باقاعدہ سلسلہ پایا گیا ہے اس کے بارے میں الگ الگ قیاس آرائیاں کی گئی ہیں کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ پجاریوں یا مذہبی رہنماؤں کی درس گاہ اور اس سے ملحقہ مندر ہوگا۔ کچھ اسے پولیس تھانہ تصور کرتے۔ اس معاملے میں بھی بہت سے مزید کھدائی کرنے اور
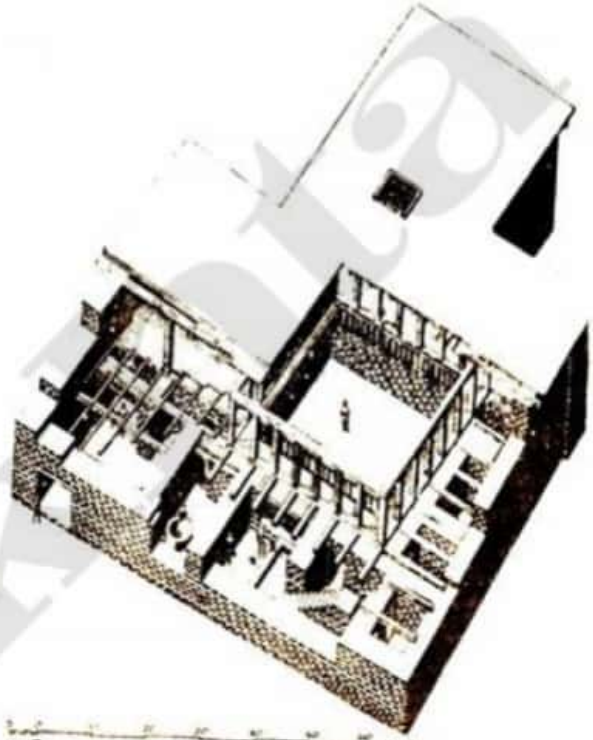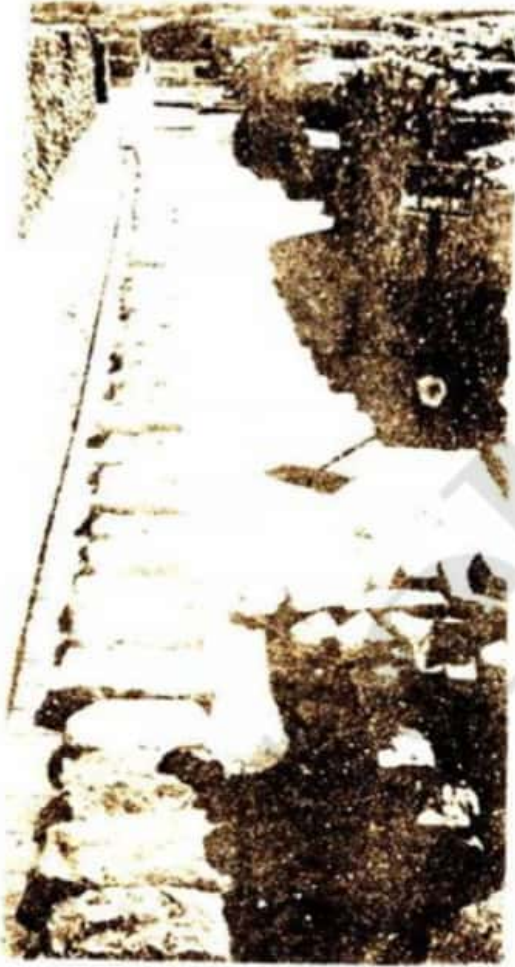
(تصویر ۲۶، ۲۷) موہن جودڑو کی قلعہ بندی میں واقع ایک سڑک کے ساتھ ساتھ بنی ایک ڈھکی ہوئی خصوصی نالی۔ دائیں تصویر اسی علاقے کے ایک مکان کا فرضی نمونہ ہے۔ صدر دروازہ سے داخلے کے کمرے کو راستہ جاتا ہے جس کے ساتھ چھوٹی سی دربان کی رہائش گاہ ہے اس کے آگے آنگن ہے جہاں سے گھر کے گرد ہر جگہ رسائی ہوتی ہے۔ تصویر ۱۸ کے پلان میں یہ مکان شمال مشرقی کونے پر ہے۔

برآمد ہونے والی چیزوں کے بیان کو اور تجزیاتی طور پر قلمبند کرنے کی ضرورت ہے۔ "بڑی سڑک" کے ساتھ ساتھ دکانوں کی شناخت کی جا سکتی ہے۔

ان میں سے ایک دکان میں فرش پر ایسے پختہ گڑھے سے پائے گئے ہیں جن میں بڑے بڑے مرتبان ٹکائے جا سکتے تھے۔ نجی کنوؤں کے علاوہ عوام کے استعمال کے کنویں بھی تھے، جن تک سڑکوں یا گلیوں سے پہونچا جا سکتا تھا۔ شہر کے چوکیداروں کے لیے جہاں تہاں چھوٹے چھوٹے "سنتری بکس" ہیں، چنائی عام طور پر پختہ اینٹوں کی ہے اور اینٹ میں اینٹ پھنسا کر کی گئی ہے۔ کچی اینٹوں کا استعمال اگے بھاگے سب ہی جگہ صرف اندرونی چبوتروں میں کیا گیا ہے، جن کے ذریعے عمارتیں بنانے والوں نے فرشوں کو چڑھتے ہوئے سیلاب کی سطح سے

(تصویر ۲۸) ہو سکتا ہے کہ اس کمرے کے فرش میں گھڑے ہوئے قیف نما گڈھے کپڑے وغیرہ رنگنے کے ٹب ہوں لیکن زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ کسی دکان یا ریستوران میں مرتبانوں کو جما کر رکھنے کے لیے ہوں گے۔ کمرہ ایک بڑی عمارت کا حصہ ہے۔ اس کی پیمائش ۸۴ x ۶۴½ فٹ تھی اور اس کے کمرے غالباً ایک آنگن کے گرد بنے تھے۔
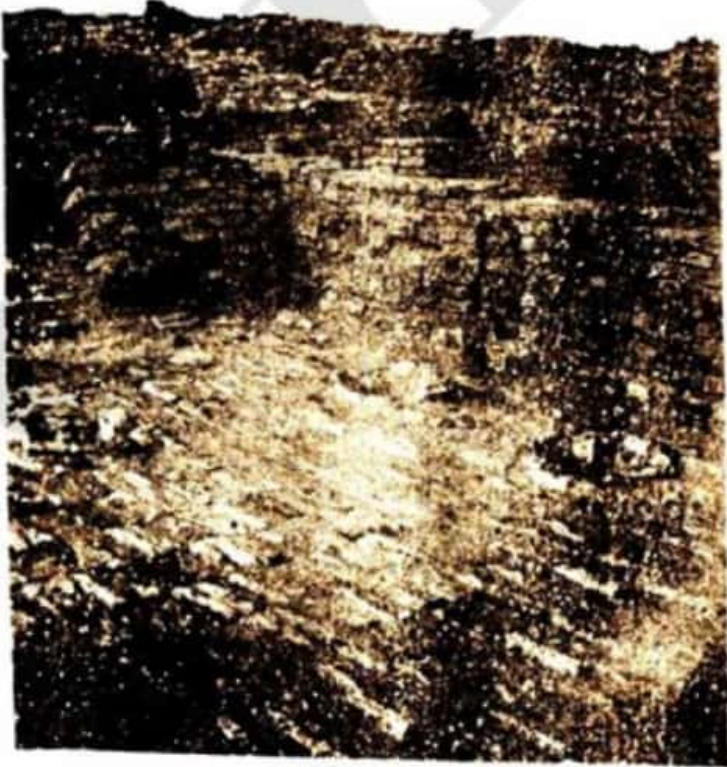
اونچا رکھنے کی کوشش کی تھی۔ جب عمارتیں بنی ہوں گی، اس وقت بیشتر چنائی کے اوپر گارے کا پلستر کیا گیا تھا۔

ہڑپہ کو ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہوا ریلوے کے انجینیروں نے بُری طرح تحس نحس کر دیا، پھر بھی وہاں قلعے کے عام نشانات اور سڑکوں کی بناوٹ کے کچھ حصے برآمد ہوئے ہیں۔

قلعے والے ٹیلے پر جو حفاظتی انتظام کے طور پر کچی اینٹوں کی ایک فصیل تھی اس فصیل کی بنیاد چالیس فٹ چوڑی تھی اور وہ اوپر کو کم ہوتی جاتی تھی۔ اس کی مضبوطی اور تحفظ کے لیے باہر کی طرف پختہ اینٹوں کی چنائی تھی جو اسی طرح اوپر کو جاتی ہوئی پتلی ہوتی جاتی تھی۔

ٹیلے اور دریا کے درمیانی تین سو گز علاقے میں مزدوروں کے رہنے کے لیے بیرکوں جیسی
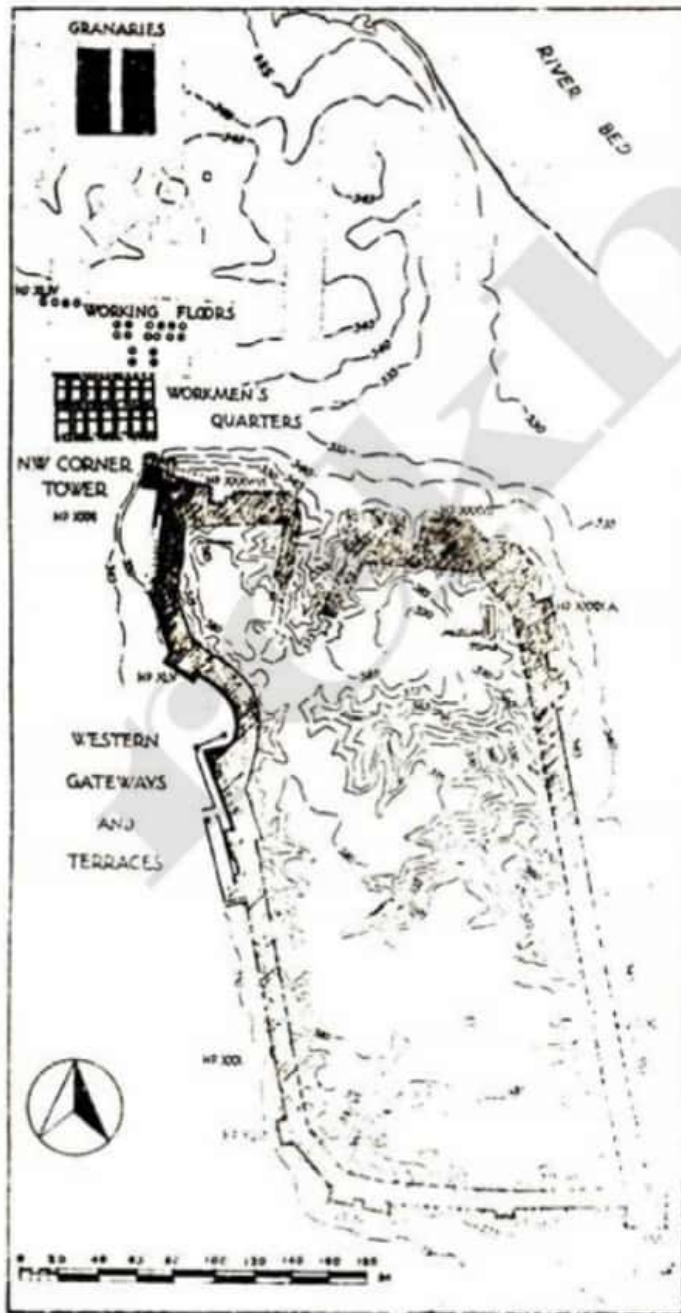
(تصویر ۲۹) ہڑپہ کی قلعہ بندی کی اینٹیں جدید ریلوے کی تعمیر کے لیے بیدردی سے اکھاڑلی گئی تھیں پھر بھی اس کے جو کھنڈرات بچ رہے ہیں وہ یہ دکھانے کے لیے کافی ہیں کہ قلعے کی چوڑی دیواریں کچی اینٹوں سے بنی تھیں جن کے روبرو پکی اینٹیں تھیں شمال میں وہ اناج کے گودام ہیں جن کی فرضی شکل تصویر ۳۲ میں دکھائی گئی ہے قلعے کے اندر کوئی قابل شناخت عمارتیں نہیں بچی ہیں۔

ساخت کی مجموعی عمارتیں تھیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ سٹے ہوئے ایسے گول فرشوں کی قطاریں تھیں جن پر درمیان میں اناج پھٹکنے کے لیے لکڑی کی اوکھلیاں لگی ہوں گی اور روشندانوں سے آراستہ اناج کے گوداموں کی دو قطاریں تھیں۔ کل بارہ گودام تھے جو قاعدے کے ساتھ ایک بڑے اور اونچے چبوترے پر بنے تھے۔ اناج کے گوداموں کے فرشوں کا کل رقبہ

(تصویر ۳۰، ۳۱) ہڑپہ کے قلعے والے ٹیلے پر تعمیر کی گئی قلعہ بندی کچی اینٹوں کے پشتوں سے مضبوط کی ہوئی کچی اینٹوں کی فصیل پر مشتمل تھی جو ۴۰ فٹ چوڑی بنیاد پر بنی تھی اوپر کو اس کی چوڑائی کم ہوتی گئی ہے۔ پختہ اینٹوں کے پشتوں کا کام کم از کم دو عہدوں میں ہوا ظاہر ہوتا ہے (تصویر ۳۰) قلعہ بندی کے عقب میں مٹی کے ایک اونچے چبوترے پر اندرونی عمارتیں تھیں جیسا کہ دائیں (تصویر ۳۱) کے اس حصے سے عیاں ہے۔
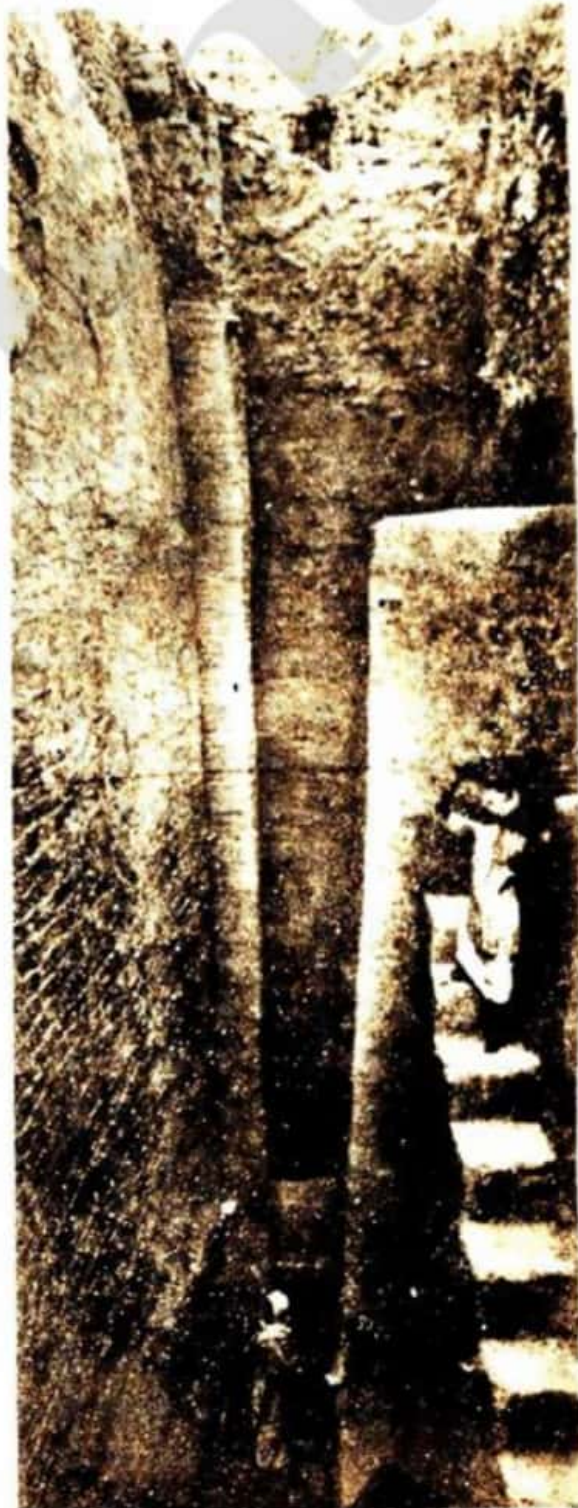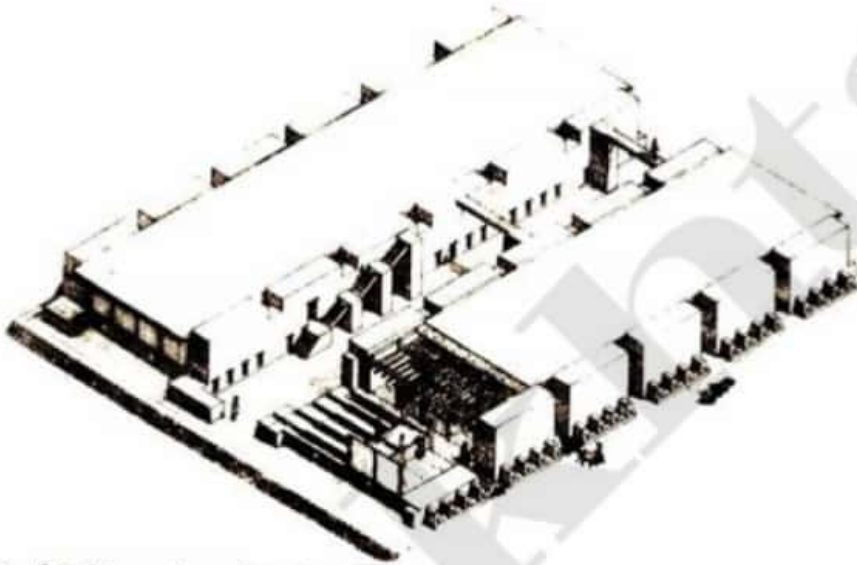
(تصویر ۲۳ -۲۴) ہڑپہ کے اناج کے گوداموں کی محور پیمائی کی فرضی تصویر دکھائی گئی ہے
یہ عمارت چھ چھ ذخیروں کی دو قطاروں پر مشتمل تھی جن کے درمیان چوڑا راستہ تھا۔
نیچے سوراخ ہوا کے گذرنے کے لئے ہیں تصویر ۲۳ قلعے کا فرضی نظارہ ہے جیسا کہ شمال
کی طرف سے دکھائی دیتا ہوگا۔ دائیں طرف اناج گودام ہیں قلعے اور اناج گوداموں
کے درمیان مزدوروں کی رہائش گاہیں ہیں۔

کوئی ۹ ہزار مربع فٹ تھا۔

توسیع سے پہلے موہن جو داڑو کے اناج گودام کا رقبہ بھی قریب قریب اتنا ہی رہا ہوگا قلعے کے زیر سایہ ان عمارتوں کی منصوبہ بندی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اناج کے بلدیاتی ذخیروں پر، دریائی راستے سے بھی بہت قریب واقع تھے، چست انتظامی کنٹرول تھا۔ قلعے کے جنوب میں ایک وسیع قبرستان تھا جس کے متعلق مزید تذکرہ کیا جائے گا۔

بوقت تحریر (۱۹۶۵ء میں) سندھ کی تہذیب سے متعلق جس اہم ترین مقام کی کھدائی (بی۔بی۔لال اور بی۔ کے۔ تھاپر کی زیر نگرانی) ہو رہی تھی وہ کالی بنگن ہے۔ یہ جگہ راجستھان کے گنگا نگر ضلع میں گھگھر (سابقہ سرسوتی) دریا کی خشک وادی کے پاس ہے اور ہڑپہ سے سو میل جنوب مشرق میں واقع ہے۔ جو نشانات دکھائی دیتے ہیں وہ دو ٹیلوں پر مشتمل ہیں، ایک چھوٹا ٹیلا مغرب میں ہے اور دوسرا اُس سے بڑا ٹیلا مغرب کی سمت واقع ہے۔ پہلے ٹیلے کی بنیادوں میں ہڑپہ سے پہلے کا کوئی تمدن ہے جو بعد میں ہڑپہ کے آثار میں مدغم ہو گیا ہے۔ ان آثار میں ایک چبوترہ یا چبوتروں کا مجموعہ ہے جس کے گرد کچی

(تصویر ۳۲) کالی بنگن کی دو
سڑکوں اور مکانوں کا ایک منظر
یہ تہذیب سندھ کے ان تعمیرات
میں سے ہے جن کی اہم مثال
یہاں دکھائی ہوئی ہے۔ صاف
ستھری اقلیدسی پلان قابلِ غور
ہے۔ موازنہ بہ تصویر ۱۳
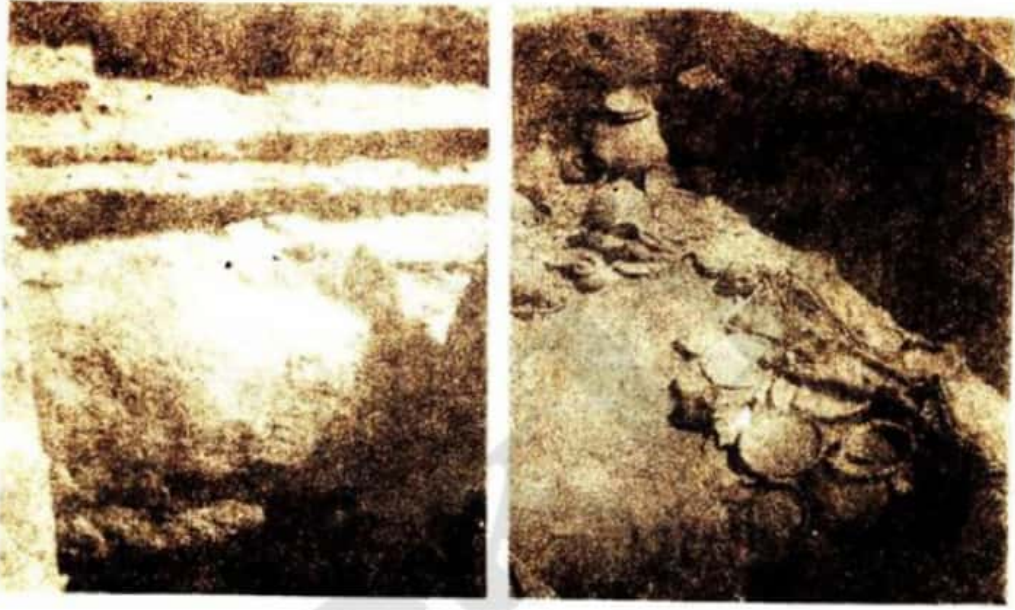
اینٹوں کی مستطیل دیوار تھی۔ اس دیوار میں جگہ جگہ مستطیل برجیاں تھیں۔ شاید جنوب کی سمت داخلے کا ایک راستہ تھا جہاں کچھ پکی اینٹوں کی چنائی تھی۔ جو آثار بچ رہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ باہر کی طرف کچی اینٹوں کی تعمیر کو اس طرح سے ہموار کیا گیا تھا کہ وہ اوپر کو جاتے ہوئے پتلی ہوتی گئی تھی اور اس پر گارے کا پلستر کیا گیا تھا۔

اس میناروں والی دیوار کی تعمیر کا مقصد تحفظ کے سوا اور کچھ ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ یا اگر یہ ساخت خالص رسمی تھی تو کسی فوجی تعمیر کے نمونے کی نقل ہوگی۔ ایک خیال یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے اسے مذہبی رسوم کے لیے مخصوص ایک ٹیلے کو سیلاب سے محفوظ رکھنے کے لیے بنایا گیا ہو۔ لیکن جو سامان لگایا گیا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ اندازہ ٹھیک نہیں ہے (سیلاب کو کچی اینٹوں سے روکنا ایسے ہی ہے جیسے اسے کھجوری سے روکنے کی کوشش کرنا)۔ کالی بنگن کا مغربی ٹیلا قلعہ ہی تھا یا پھر سچ مچ کے قلعے کی نقل تھا۔ پہلے سے موجود ایک ٹیلے کو سہولت کے لیے بنیاد بنا لیا گیا تھا۔ یہ قلعے والا ٹیلہ ہڑپہ اور موہن جو داڑو کے مغربی سروں پر واقع دیواروں والے ٹیلوں سے مشابہ ہے۔

کالی بنگن کا مشرقی اور کم اونچا ٹیلہ شروع سے ہی ہڑپہ کے تمدن کی نشان دہی کرتا ہے، یہ ایک قصبہ تھا جو زیادہ بڑا نہیں تھا اور جس کے لیے کوئی قلعہ بندی نہیں کی گئی تھی۔ قصبے

(تصویر ۳۵ تا ۳۸) کالی بانگن کے نئے مقام پر ہڑپہ تمدن سے تعلق کی بہت سی شہادتیں برآمد ہوئی ہیں قبریں (بائیں تصویر ۳۶) ہڑپہ کی خصوصی نوعیت کی ہیں مُردے کا سر شمال کی طرف ہے اور قبروں میں بہت سا سامان مردے کے ساتھ دفن ہے جس میں زیادہ تر مٹی کے برتن ہیں۔ قلعے میں دفاعی دیوار تھی جس کے باہر گارے کا پلستر کر کے اسے ہموار کیا گیا تھا۔ (تصویر ۳۵) کچی مٹی سے بنی مستطیل مضبوط برجیاں دیوار سے باہر کو نکلی ہوئی تھیں (تصویر ۳۷) بنیادی انتظامات کالی بانگن کے دو ٹیلوں میں سے مغرب والے ٹیلے کی خصوصیت ہیں۔
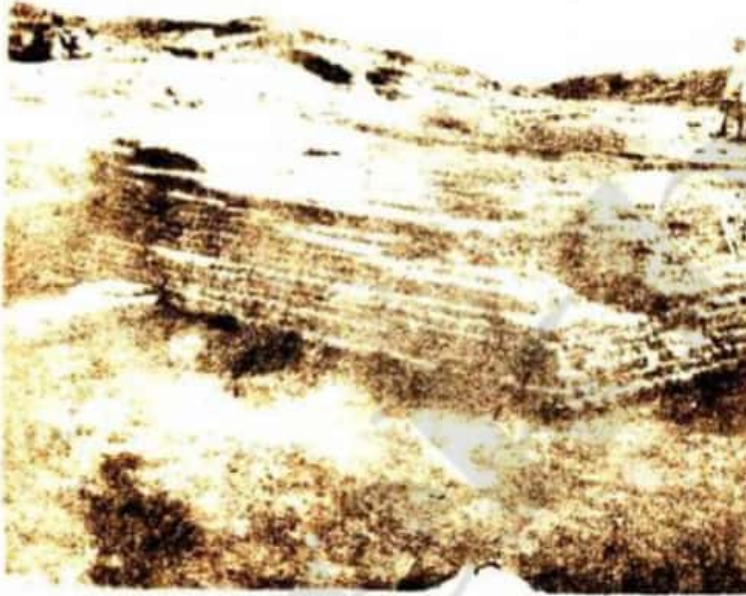
کی سڑکیں اور گلیاں سیدھی اور متوازی تھیں اور مخصوص مقامات پر مُڑتی تھیں۔ کچی اور پکی اینٹوں سے بنے آنگن والے مکانوں میں پکی اینٹوں کی نالیاں ہیں اور ہڑپہ جیسا سامان لگاتار پانچ تہوں تک پایا گیا ہے۔ دونوں ٹیلوں کے جنوب مغرب کی طرف ایک قبرستان کی شناخت کی گئی ہے جس میں مُردوں کو ہڑپہ کے خصوصی انداز میں دفنایا گیا تھا شمالاً، جنوباً۔ سر شمال کی طرف۔ قبریں بہت سے مٹی کے برتن تھے۔ سندھ کی تہذیب کے اہم اور کم اہم دونوں طرح کے مقامات پر کسی نہ کسی طرح سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دھیرے دھیرے ایک خصوصی شہری ترتیب کا تعین ہو رہا ہے۔ قلعہ۔ نچلی سطح پر شہر اور قلعے کے قریب قبرستان۔ کچھ تبدیلیوں کا ہونا قدرتی ہے خاص کر چھوٹے مقامات پر۔

موہن جو داڑو کے کوئی ۸۰ میل جنوب چانہو داڑو میں ہڑپہ تمدن کے ایک چھوٹے قصبے کی جزوی طور پر کھدائی کی گئی ہے۔ بظاہر وہاں بڑے شہروں کی طرح کا قلعہ نہیں ہے لیکن دوسری باتوں میں وہ انہی کے ڈھنگ کا ہے اس میں بھی نالیاں ہیں، پکی اینٹوں کے مکان ہیں اور کچی اینٹوں کے چبوترے ہیں جو چڑھتے ہوئے سیلاب کی سطح سے اوپر رہنے کی متواتر کاوشوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔

ایک اور چھوٹا قصبہ موہن جو داڑو کے ۴۵۰ میل جنوب مشرق میں کاٹھیاواڑ کے سمندری کنارے والے میدانی علاقے میں لوتھل میں پایا گیا ہے۔ اس قصبے کی کچھ زیادہ انفرادی خصوصیات
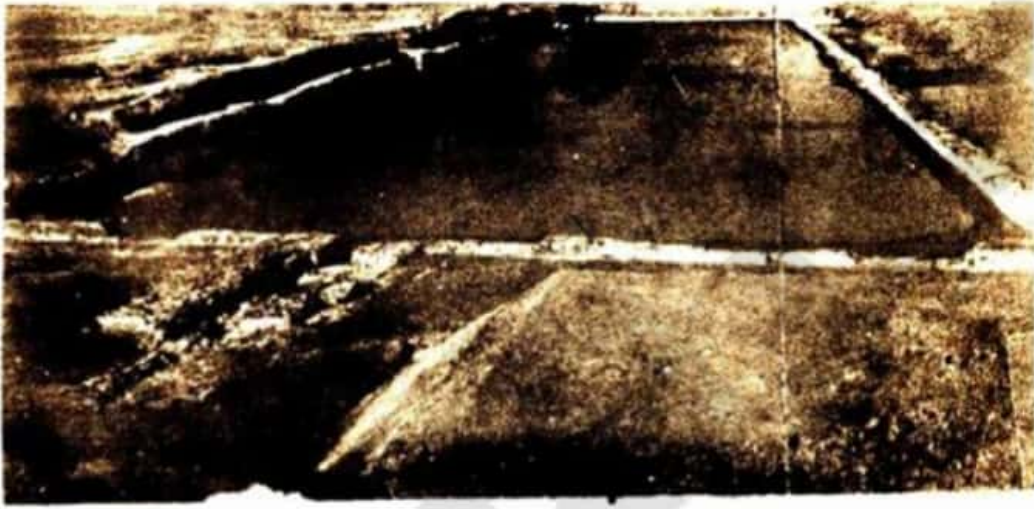
(تصویر ۳۸) لوتھل میں جہازوں کو ٹھہرانے کی جگہ تہذیب سندھ کے اس سوراشٹری مقام کی سب سے اہم چیز ہے۔ اس کی اطراف میں پکی اینٹیں ٹھونکی گئی ہیں۔ تصویر کے زیریں حصے میں پانی کے داخلے پر کنٹرول کے لیے خوش اسلوبی سے بنائے گئے دروازے کا بالائی حصہ دیکھا جا سکتا ہے۔

ہیں۔ وہاں یا اس مقام کے کم سے کم اس حصے میں جس کی اب بغور شناخت کی گئی ہے۔ سطح کو اٹھانے کے لیے گارے یا کچی اینٹوں کا استعمال کیا گیا تھا لیکن ساتھ ہی نچلی سطح پر ایک قصبہ بھی تھا۔ مکانوں کی تعمیر کے لیے کالی بانگن کی طرح پکی اور کچی اینٹوں سے کام لیا گیا تھا اگرچہ حمام، نالیاں، کنوئیں اور بھٹے مکمل طور پر پکی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے تھے اور سندھ کی تہذیب کی عام ساخت کے نمونے کے تھے۔ اونچی بستی کے نیچے کی تہہ میں ایک دوسرے کو کاٹتے ہوئے بندنلوں کا سلسلہ تھا جو کچی اینٹوں کے بلاکوں کے بیچ بنائے گئے تھے۔ ہر بلاک ۱۲ فٹ مربع تھا شاید یہ موہن جو داڑو کے اناج کے گودام کے ڈھنگ کے کسی گودام کا بنیادی حصہ تھا۔

اچانک اس میں آگ لگ گئی تھی اور قیاساً اوپر واقع ذخیرے میں موجود گانٹھوں پر لگی مہریں پک کر ان نلوں میں گر گئیں تھیں۔ پاس ہی ٹیلے کے ایک سرے پر ایک قابلِ توجہ مستطیل گھیرا ہے جو ۷۱۰ فٹ لمبا اور ۱۲۰ فٹ چوڑا ہے اور جس کے دونوں طرف مضبوطی کے لیے پکی اینٹوں کی چنائی کی گئی تھی۔ اس کی جہازی گودی کے طور پر شناخت کی گئی ہے۔ آگے چل کر لوتھل کا اور ذکر کیا جائے گا۔
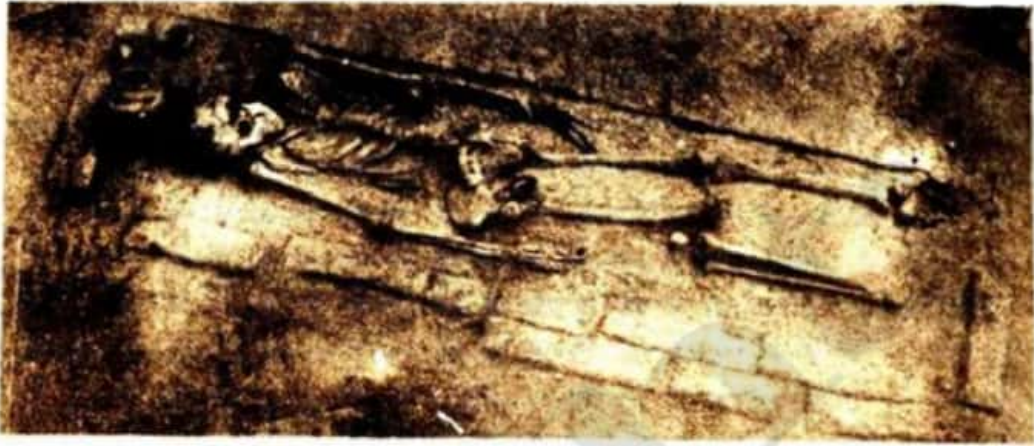
(تصویر ۲۹-۳۰) یہ دو قبریں ہڑپہ کے آر-۳ قبرستان میں سے ہیں۔ اوپر لاش کو ایک مستطیل قبر میں لٹایا گیا جس کے چاروں طرف پکی اینٹیں بچھائی گئی ہیں۔ دائیں: لاش کو کفن کے بکسے میں دفنایا گیا تھا۔ پنجر کے گرد مدھم لکیر اس کی نشاندہی کرتی ہے۔ قبر میں بہت سے برتنوں کا ہونا تہذیبِ سندھ کے طرزِ تدفین کی خصوصیت ہے (موازنہ، تصویر ۳۶)
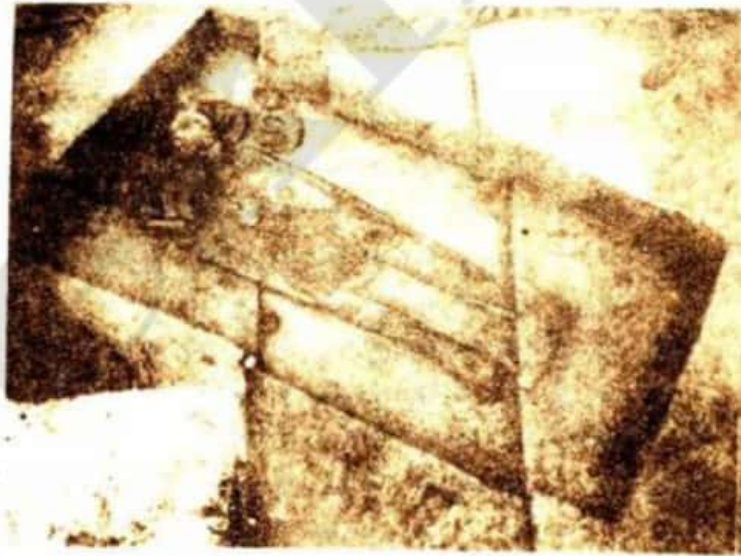
ان مثالوں سے سندھ کی تہذیب کے شہروں کی عام خصوصیات کا پتہ چل جاتا ہے۔ ان کے فنِ تعمیر کے جو نشانات بچے ہیں ان سے اس کا بہت ہی سادہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن ممکن بلکہ اغلب ہے کہ سادہ تعمیر کے ساتھ ساتھ لکڑی کا بہت سا کام ہوتا تھا۔ اگرچہ لکڑی کے آثار کہیں بھی زمین کی سطح کے اوپر نہیں بچے ہیں پھر بھی ہند میں لکڑی کے استعمال کی شاندار روایت سے شناسا کسی بھی آدمی کے سامنے اس امکان کا آنا لازمی ہے۔

باشندے فنون اور ہنر

سندھ کی تہذیب میں کسی شاہی قبر کی ابھی تک شناخت نہیں ہو پائی ہے۔ اس کمی

کا سبب یقیناً دریا کے بہاؤ سے آئی ہوئی مٹی کی تہوں کا جم جانا اور آثارِ قدیمہ کی کھوج کے عمل کا نازل ہونا ہے۔

لیکن ہڑپہ میں قلعے کے جنوب کی طرف ایک قبرستان جزوی طور پر برآمد ہوا ہے۔ بظاہر یہ قبرستان عام شہریوں کا تھا اس میں سے کوئی ساٹھ ڈھانچے ملے ہیں۔ عموماً یہ ڈھانچے اس طرح سے قبر میں دفنائے گئے تھے کہ ان کا سر شمال کی جانب تھا اور ہر ایک کے ساتھ اوسطاً پندرہ یا بیس مٹی کے برتن دبائے گئے تھے جن سے سندھ کے تمدن کے پختہ دور کا پتہ چلتا ہے۔ ایک قبر کچی اینٹوں سے مضبوط کی گئی تھی اور یہ اینٹیں مستطیل ڈیزائن میں چنی گئی تھیں، ایک اور قبر میں لاش کو لکڑی کے بکس میں بند کر کے دفنایا گیا تھا اس بکس کے چاروں طرف کے تختے مقامی روز ووڈ (ایک خوشبودار لکڑی) کے تھے اور ڈھکنا دیوار کی لکڑی کا تھا جو یقیناً پہاڑوں سے بہاکر نیچے لائی گئی ہوگی۔

علم الانسان کے جن ماہروں نے ان ڈھانچوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ مہیا شدہ ثبوت کے مطابق وادیٔ سندھ کی آبادی (لوگوں کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے) ہڑپہ کے زمانے سے لے کر زمانہ حال تک لگ بھگ ویسی کی ویسی ہی رہی۔ یعنی دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پچھلے چار ہزار برسوں میں ان علاقوں پر وقتاً فوقتاً جو حملے ہوئے ہوں گے وہ یقیناً ایسے لوگوں نے کیے ہوں گے جو جسمانی ساخت کے لحاظ سے ان لوگوں سے ملتے جلتے یا پھر یہ حملے اتنے چھوٹے پیمانے پر ہوئے کہ ان کی وجہ سے جسمانی خصوصیات میں کوئی نمایاں تبدیلی نہ ہوسکی، بہتات لمبے سر والوں (dolichocephatic) کی تھی۔ عام طور پر یہ مشابہت پہلے مضمونوں کے بیان کردہ پروٹو آسٹریلیلوئیڈ (Proto - Australoid) کا کا سر یا "یورافریقن" (Eurafrican) انواع انسانی کے مشابہہ ہے۔ دبلے اور چھوٹے قد کے کچھ ڈھانچے جسمانی پیمائش کے علم کی اصطلاحات میڈیٹرینین (Mediterranean) انڈو یورپین (Indo European) یا کیپین (caspian) انواع کی یاد دلاتے ہیں۔ بالغان قد میں پانچ فٹ پانچ انچ سے پانچ فٹ آٹھ نو انچ تک کے ہوتے تھے اور اس سے بھی زیادہ دلچسپی کی بات یہ ہے کہ موت کی عمر بیشتر ۲۰ اور چالیس کے درمیان تھی اور اس میں بھی ۲۰ سال کی عمر میں مرنے والوں کی تعداد زیادہ دکھائی دیتی ہے چونکہ اس تجزیے میں صرف بالغان کو لیا گیا ہے اس لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عمدہ مکانوں اور نالیوں وغیرہ کے باوجود سندھ کی تہذیب

(تصویر ۴۱ - ۴۲) خلیج فارس کے جزائر بحرین اور فیلاکا میں ایسی گول مہریں پائی گئی ہیں جن کے پیچھے چھید والے ابھار ہیں ان میں سے ایک کی مثال اوپر دکھائی گئی ہے اور ساتھ میں دائیں طرف موہن جوداڑو سے ملنے والی ویسی ہی ایک مہر کی تصویر دی گئی ہے۔ دونوں پر سانڈ کی شبیہیں ہیں۔

میں (لوگوں کا) اوسط عرصہ حیات کم تھا۔

تھوڑی ہی مدت ہوئی کہ لوتھل میں کھدائی کے مقام کے شمال مغربی سرے پر اونچائی پر واقع متعدد مدفن ملے ہیں (کُل سترہ قبروں کا ذکر کیا گیا) بظاہر یہ قبریں سندھ کی تہذیب کے ایک بعد کے دور کی ہیں۔ ہڑپہ کی طرح وہاں بھی بیشتر ڈھانچے شمالاً جنوباً رکھ کر دفنائے گئے تھے، سر شمال کی طرف تھا اور کہیں کہیں قبروں کے اندر کی طرف کچی اینٹوں کی چنائی کی گئی تھی۔ تین قبروں میں ساتھ ساتھ دو دو لاشیں دفنائی گئی تھیں اس بات کا امکان ہے کہ ایک لاش مرد کی اور دوسری عورت کی ہوگی لیکن ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان دو لاشوں والی قبروں سے بیوہ کو خاوند کے ساتھ قربان کر دینے کی ہندو رسم کی نشان دہی ہوتی ہے جن کھوپڑیوں کی جانچ کی گئی ہے وہ عموماً گول سر والی (brachycephalic) قسم کی ہیں یا کم از کم درمیانی سائز کے سروں والی ہیں۔ یہ عموماً ہڑپہ میں ملنے والی کھوپڑیوں کے برعکس ہے لیکن زمانہ حال میں گجرات کے باشندوں کے سروں کی اوسط پیمائش کے مطابق ہے۔

اس بات سے ایک بار پھر کافی حد تک تسلسل کا پتہ چلتا ہے۔ کالی بنگن کے قبرستان سے ملنے والی کھوپڑیوں کا تجزیہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔ سندھ تہذیب کے شہروں کا جو سامان برآمد ہوا ہے اس میں اول مقام ان کی مشہور مہروں (seals) کو ملنا چاہیے عموماً یہ مہریں خاص قسم کے (steatite) پتھر (سنگ صابن) کی بنی ہوئی ہیں جو اپنی قسم کی خصوصی اور بڑی عمدہ بناوٹ کی ہیں۔ عام مہر مربع شکل کی ہوتی تھی جس کے کنارے پون

(تصویر ۲۳) تہذیب سندھ کی مہروں پر بہت سی چیزوں کی (زیادہ تر جانوروں کی) تشبیہیں بنی ہیں قابلِ غور اوپر کی قطار کی تین مہریں ہیں جن میں ایک بہت اچھا بنا ہوا گینڈا، کوہان والا بیل یا سانڈ اور ہاتھی دکھایا گیا ہے ہاتھی کی پشت پر ایک کپڑا پڑا معلوم ہوتا ہے جو غالباً پالتوپن کی نشان دہی کرتا ہے۔ زیریں قطار کے وسط میں عجیب غریب انسانی شبیہ شاید شیو دیوتا کی صورتوں کا ایک ابتدائی نمونہ ہے
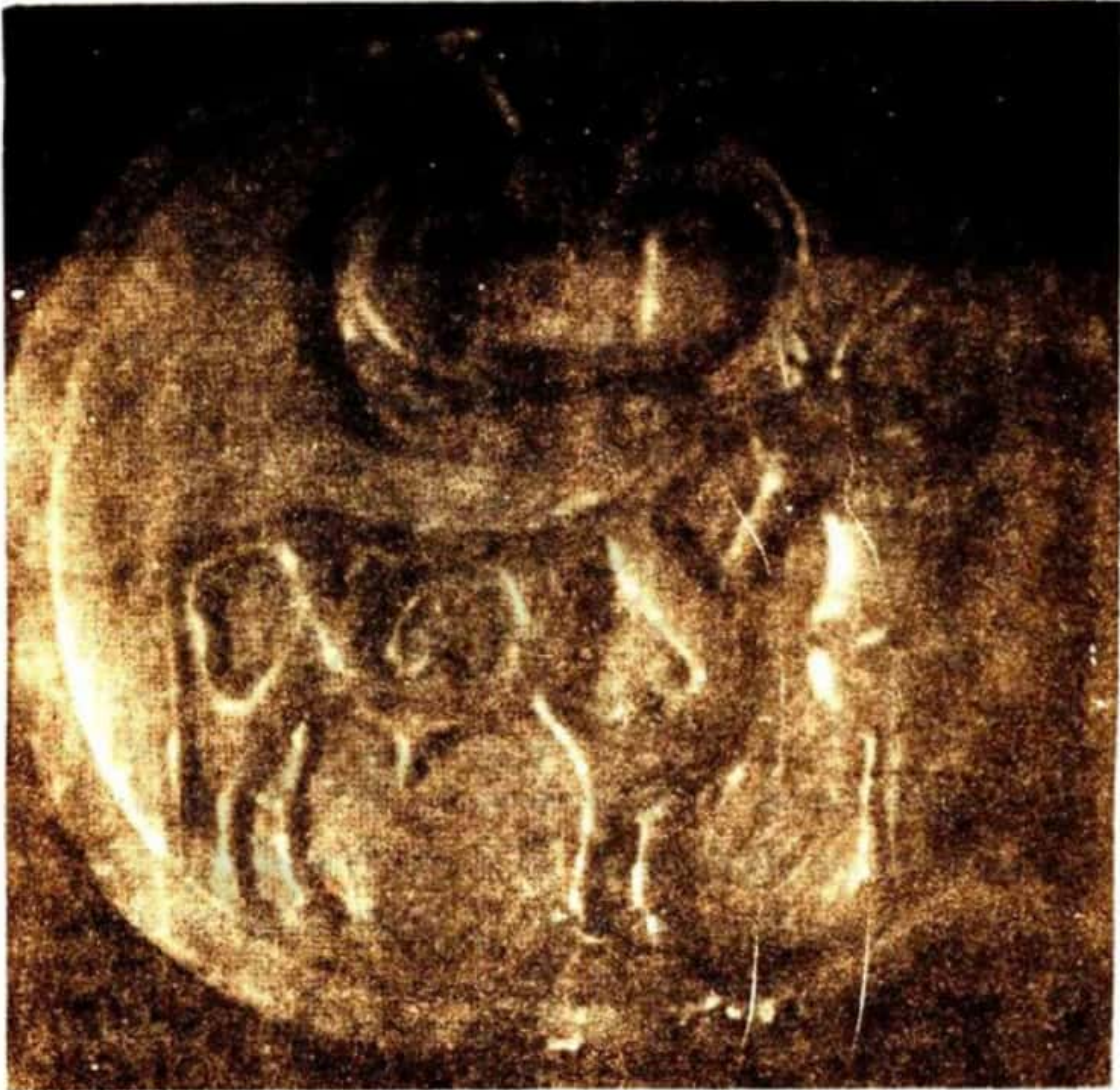
(تصویر ۴۴) پتھر (سنگِ صابون) کے اس تمغے جیسی چیز پر بنے بیل سے مشابہہ جانور کا نام "ایک سنگا" رکھا گیا ہے لیکن ممکن ہے یہ واحد سینگ بنانا محض ایک رواج ہو اور یہ دکھانا مقصود ہو کہ ایک سینگ اس سینگ کے پیچھے چھپا ہے۔ سندھ کی تہذیب سے متعلق مہروں پر یہ "ایک سنگے" والی شبیہہ سب سے عام ہے اور ہر ایسی شبیہہ کے سامنے ایک چھوٹا سا ڈنڈا دکھایا گیا ہے۔ یہ چارے کا سجاوٹی کنڈ یا عود جلانے کا برتن بھی ہو سکتا ہے۔ اس عجیب چیز کی ساخت کئی مختلف نمونوں کی ہے اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ اس تصویر میں تمغے کی پیمائش اصلی پیمائش سے دگنی دکھائی گئی ہے۔

انچ سے سوا انچ تک کے ہوتے تھے۔ مہر کو گرنے یا لٹکانے کے لیے ان کی پشت پر چھید والا
دستہ سا ہوتا تھا۔ بعض مہریں گول بھی ہوتی تھیں — پیچھے کی طرف کے دستے کے چھید یا اس
کے بغیر۔ کچھ بیلن جیسی شکل کی مہریں (cylinder seals) بھی ملی ہیں جو میسوپوٹیمیا
کی مہروں کی یاد دلاتی ہیں۔ لیکن سندھ کی مہروں کی بنیادی انفرادیت کا قومی اظہار کچھ دیگر مقامات
پر پائے جانے والے اور قدرے ملتے جلتے نمونوں، یعنی گول اور چھید دار دستوں والی
مہروں کے ساتھ تضاد سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دونوں قسم کی مہریں جنوبی میسوپوٹیمیا اور خلیج
فارس کے جزیروں (فیلکا بحرین Failaka Bahrein) میں پائی گئی ہیں اور سندھ کی تہذیب
کے اثر کی شمال مغربی توسیع کی نشاندہی کرتی ہیں، جو ان خطوں کی اپنی تجارتی زندگی سے
نئی تبدیلیوں کی حامل ہوئی۔

سندھ کی مہروں پر چھوٹی سی چھینی اور برمے کے ذریعے مختلف نمونے گہرائی میں
کندہ کیے گئے (intaglio designs) یعنی مطلوبہ نمونہ (سطح کے اندر)
کو کاٹ دیا گیا تھا تاکہ اس کی چھاپ ابھری ہوئی ہو۔ ان مہروں پر کندہ اکثر نمونے کاریگری
کی شاندار مثالیں ہیں ان نمونوں میں کئی طرح کے جانوروں ہاتھی، شیر، گینڈا، بارہ سنگھا۔
مگرمچھ یا گھڑیال کی شبیہیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس زمانے میں سندھ کی وادی میں یہ
سب جانور عام پائے جاتے ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر کوہان والے سانڈ یا (Zebu) کی
شبیہ ہے جو نہایت پرشکوہ ہے اور اتنی چھوٹی سی جگہ میں بنائے جانے کے باوجود بہت
زیادہ قوت کا اظہار کرتی ہے سب سے عام شبیہ بیل جیسے جانور کی ہے جس کا ایک سینگ
دکھائی پڑتا ہے اور اس وجہ سے اسے "یک سنگے" (uni corn) کا نام دیا گیا ہے
یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ارادہ دو سینگوں والے جانور کی شبیہ بنانے کا ہی تھا جس کا ایک سینگ
دوسرے کے پیچھے پوشیدہ ہو لیکن اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ (KTESIAS) اور ارسطو
دونوں نے یک سنگے کی آماجگاہ ہندوستان بتائی ہے۔ یک سنگے کی شبیہ کے آگے ہر مہر
میں ایک ڈنڈے کے اوپر ایک عجیب سی چیز بنی ہوتی ہے۔ عام طور سے حالانکہ بھونڈے طریقے
سے اسے علم یا جھنڈا (standard) بیان کیا جاتا ہے لیکن عین ممکن ہے کہ یہ مویشیوں
کے چارے کا سجاوٹی کنڈ یا پھر عود جلانے کا برتن ہو، مختلف جانوروں کے جسموں کے حصوں
کو ملا کر بنائی گئی بھونڈی شبیہیں بھی ملی ہیں۔ ایک میں آدمی کا چہرہ، ہاتھی کی سونڈ اور دانت

(تصویر ۴۵-۴۶) ہڑپہ سے پائی گئی انسانی دھڑوں (TORSO) کی یہ مورتیاں چھوٹے بت بنانے کے فن کی شاہکار ہیں۔ بائیں مورتی لال پتھر کی اور دائیں سلیٹی پتھر کی ہے دونوں کے سر اور بازو الگ سے بنائے گئے تھے اور پھر چھیدوں میں جڑ دیے گئے تھے۔ دائیں مورتی میں عضو تناسل دکھایا گیا ہے شاید مورتیاں تہذیب سندھ کے بعد کے زمانے کی ہوں (یا نہ ہوں)

سانڈ کے سینگ، مینڈھے کے دھڑ کا اگلا حصہ اور شیر کے دھڑ کا پچھلا حصہ ہے جس کی دُم اوپر کی جانب اٹھی ہوئی ہے اور جس میں شکاری پرندوں جیسے پنجے ہیں۔ کبھی کبھی انسانی شبیہیں بھی شامل کی گئی ہیں لیکن یہ جانوروں کی شبیہوں سے گھٹیا ہیں۔ انسانوں اور جانوروں کی شبیہوں میں اسی طرح کا فرق مغربی یورپ میں پتھر کے ابتدائی زمانے کے غاروں کے فن میں بھی ملتا ہے۔ موہن جو داڑو سے ملی تین مہریں خاص دلچسپی کی ہیں چونکہ ان پر کندہ شبیہہ بعد کے ہندو دھرم کے عظیم دیوتا شیو سے مشابہہ دکھائی دیتی ہے۔
بیشتر مہروں پر کچھ تصویری تحریر (Pictographic Script) بھی ہے لیکن

(تصویر ۵۲، ۵۳) تہذیب سندھ سے متعلق چھوٹی مورتیوں میں رقاصہ لڑکی کا یہ کانسے کا مجسمہ سب سے زیادہ قابلِ غور ہے۔ بے باک اور شہوت انگیز رقاصہ بالکل برہنہ ہے صرف گلے میں ہار ہے اور بازو میں بہت سے کنگن۔ اس کا سارا انداز خود اعتمادی کا ہے، سر با اثر طریقے سے تھوڑا سا جھکا ہوا ہے اور بڑی کاریگری سے بنایا گیا چہرہ، آدی باسی، نمونے کا تاثر دیتا ہے۔

غیر معمولی کاوشوں کے باوجود ابھی تک اس تحریر کو پڑھا نہیں جا سکا ہے۔ یہ تصویری تحریریں میسوپوٹیمیا اور مصر کی تصویری تحریروں سے اتنی ہی مختلف ہیں جتنی یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ ایک محدود وقت اور علاقے کے اندر ارتقا پانے والی تین عظیم تہذیبوں نے تین قطعاً مختلف اسالیب تحریر کی تخلیق کی۔ اس حقیقت کی امکانی اہمیت کا جائزہ آگے چل کر لیا جائے گا۔

ان مہروں کے مکمل مقصد کا صرف موہن جو داڑو میں ۱۲۰۰ سے زیادہ ایسی مہریں ملی

(تصویر ۵۴۔ ۵۵) سامنے والی رقاصہ کے
برعکس پکائی ہوئی مٹی کی یہ عورتوں یا دیوی
ماتاؤں کی چھوٹی مورتیاں بھونڈے طریقے
سے ضرورت سے زیادہ بھاری گہنوں سے
لدی ہیں۔ کمر پر چھوٹے سے کپڑے لپٹے ہیں،
اور کہیں کہیں سر پر عجیب طرح کی پھولی
ہوئی اوڑھنیاں یا ٹوپیاں ہیں۔
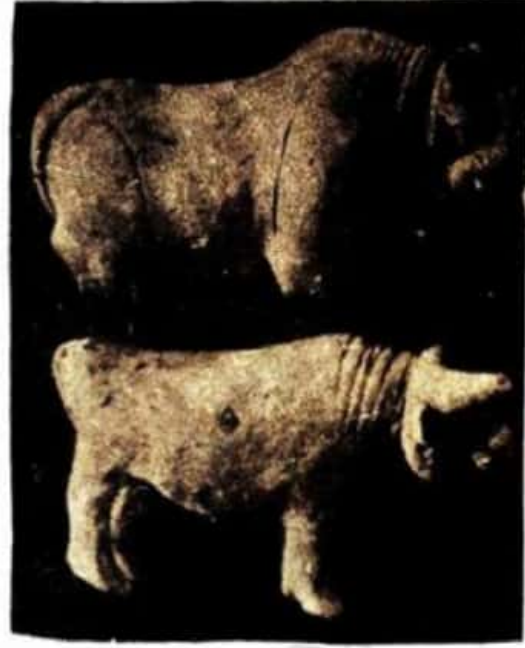
(تصویر ۵۸ تا ۶۰) پکائی مٹی کی بنی مرغی، فاختہ اور بلی (یا شیر) جو غالباً کھلونے تھے لیکن ہو سکتا ہے پوجا کے چڑھاوے کی مورتیاں ہوں۔
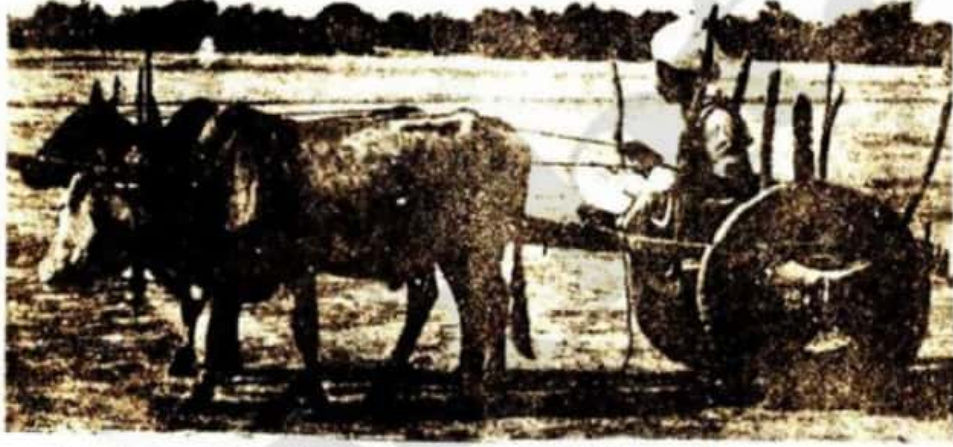
(تصویر ۶۱، ۶۰، ۶۲) سندھ کی جدید بیل گاڑی جو اوپر دکھائی گئی ہے پکائی مٹی کے بیل گاڑی کے نمونے سے، جو موہن جو دڑو سے ملا تھا اور سامنے بائیں طرف دکھایا گیا ہے بہت کم مختلف ہے۔ پکائی مٹی کے بنے بیل اور بھینس کی شبیہہ اصلی پیمائش سے آدھی دکھائی گئی ہے۔ یہ بھی جدید زمانے میں پائے جانے والے بیلوں اور بھینسوں سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ درحقیقت پکائی مٹی کی مورتیوں میں بیل کا ... تھا۔

(تصویر ۶۱، ۶۳، ۶۴) متعدد چیزوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ موہن جو دڑو میں پکائی مٹی کی مورتیاں بنانے والے مزاحیہ بھی ہوتے تھے۔ تصویر ۶۱ سامنے دائیں میں ایک عجیب و غریب انسانی مجسمے کی ہے جو بظاہر زبان باہر نکالے ہوئے ہے (تصویر ۶۳ پیچھے بائیں) ایک بوڑھی عورت کا مضحکہ خیز مجسمہ معلوم ہوتا ہے۔ تصویر ۶۴ دائیں میں یہ شبیہہ کسی عجیب مخلوق کی ہے جو اپنی آنکھیں چھپائے ہوئے ہے اور ہاتھ بھی جسم سے چپکائے ہوئے ہے۔

(تصویر ۶۵، ۶۶) متوازی اطراف والے چقماق کے پھل، تھوڑا تراش کر تیار کیے گئے دستے سے بنائے جاتے تھے عموماً ان کی مزید صفائی نہیں کی جاتی تھی پر کچھ دستے گھس کر تیز کرنے کے کام آتے تھے (تصویر ۶۶) دو پر مچھلی پکڑنے کے پیتل کے بنے کنڈوں کے نمونے ہیں، (تانبے کا، اصلی پیمائش)۔

(تصویر ۶۷)
موہن جو داڑو میں ملا تانبے کا بنا تیر کا سرا

ہیں لیکن ان کے متصد و مصرف کا یقینی طور سے تب تک کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا جب تک ان پر کندہ تحریر کو سمجھ نہیں لیا جاتا۔ انھیں کانٹھوں اور دوسرے سامان کو مٹی کے گمارے سے مہر بند کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا (جیسے کہ لوتھل میں۔ دیکھیے اوپر) اس لیے یہ اغلب ہے کہ کم از کم ان میں سے کچھ پر لوگوں کے ذاتی نام کندہ ہیں۔ ایک دشواری یہ ہے کہ ایک ہی تحریر والی ایک سے زائد مہریں بہت کم پائی گئی ہیں لیکن اس سے کم از کم یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی مذہبی یا بیانیہ نوعیت کی تحریر نہیں تھی۔ دستے یا دھاگے ڈالنے کے لیے بنائے گئے چھید والے ابھار سے یہ جان پڑتا ہے کہ عموماً ان مہروں کو مالک اپنے پاس رکھتے تھے۔ برتنوں یا ٹھیکریوں پر بھی یہی تحریر کندہ پائی گئی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوگا کہ سندھ کی آبادی خاصی حد تک خواندہ تھی۔ سندھ کی تہذیب کے پتھر کی مجسمہ سازی کے چند ہی نمونے دستیاب ہوئے ہیں ابھی تک موہن جو داڑو سے صرف گیارہ ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے ملے ہیں۔ ہڑپہ سے ڈیڑھ دل (FOAAO) کے دو مجسمے برآمد ہوئے ہیں۔ یہ دونوں مجسمے سندھ کی تہذیب کے ہیں یا نہیں، یہ امر مشکوک ہے ممکن ہے یہ بعد کے زمانے کے ہوں۔ سبھی مجسمے چھوٹے سائز کے

(تصویر ۶۸، ۶۹) تانبے کے بنے کلہاڑے (موازنہ تصویر ۶۰)
غالباً دستے کی درز میں پھنسا کر باندھ دیئے جاتے تھے بہت کم
ایسے کلہاڑوں کی مثالیں ملتی ہیں جن میں دستے ٹھونکنے کے چھید
ہوں۔ جیسے کہ دائیں طرف والا کلہاڑے کا پھل جیسے نمونے دریافت ہوئے۔

ہیں سوائے دو جانوروں) کے مجسموں کے جن میں سے ایک مینڈھے اور ہاتھی کی مخلوط شبیہہ
ہے۔ بقیہ سبھی دیوتاؤں یا انسانوں کی مورتیاں ہیں۔ چار پانچ مورتیوں کے دیوتا یا انسان پالتی
مار کر بیٹھے دکھائے گئے ہیں۔ مجسموں کے چہروں کی بناوٹ میں حد درجے کا عدم تناسب پایا جاتا
ہے پیشانی نیچی اور پیچھے کی طرف جھکی ہوئی ہے آنکھیں تنگ مگر غیر منگولی قسم کی ہیں بال
پیچھے کی طرف جوڑے کی شکل میں بندھے ہوئے دکھائے گئے ہیں داڑھی ہے مگر مونچھ منڈی
ہوئی ہے آنکھوں کے خانوں میں سنکھ کی قسم کی کوئی چیز جڑی گئی ہے۔ ان باتوں کے اعتبار
سے ان میں اور میسوپوٹیمیا اور مشرقی میریا (مثلاً تل اسمار اور ماری) میں پائے گئے لگ بھگ
ہم عصر مجسموں کے سروں میں کچھ مشابہت ہے لیکن میسوپوٹیمیا والے مجسمے اُلّو کی طرح گھورتے
(owl like staring) دکھائے گئے ہیں۔ اس لحاظ سے سندھ کی تہذیب کے مجسمے
اُن سے بہت مختلف ہیں کیونکہ ان میں غور و فکر کی محویت نظر آتی ہے۔

دراصل دونوں خطوں کی مجسمہ سازی میں کوئی چیز نمایاں طور سے مشترک نہیں، کانسے کی
صرف چند چیزیں بچ رہی ہیں۔ قابلِ ذکر ایک مجسمہ بھینس کا اور ایک ناچنے والی لڑکی کا ہے جیسی
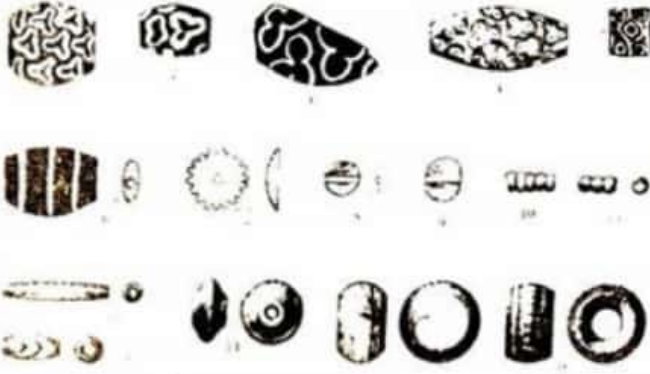
(تصویر ۲۰ تا ۳۰) تہذیب سندھ کے بہت سے مقامات پر پائے گئے منکے اور زیورات سے مغرب کی قدیم تہذیبوں کے ساتھ تعلقات کا صاف پتہ چلتا ہے۔ کئی حصوں کو جوڑ کر بنائے جانے والے پکائی مٹی کے چمکیلے منکے ۲۰۰۰ اور ۱۵۰۰ قبل مسیح کے درمیان شمالی میسوپوٹیمیا، کریٹ اور مصر میں پائے جاتے تھے۔ سرخی مائل عقیق کے منکے جن پر نمونے کندہ تھے اُر، کیش اور تل اسمار (قریب ۲۲۰۰ قبل مسیح) میں ملے ہیں۔ موہن جو داڑو میں پائے گئے سونے کے منکوں کا مقابلہ قریب ۲۴۰۰ - ۲۲۰۰ قبل مسیح میں میسوپوٹیمیا اور تل بھاگ ۲۲۰۰ قبل مسیح میں ٹرائے G. II سے ملنے والے منکوں سے کیا جا سکتا ہے۔ منکوں کی ان سب قسموں کی مثالیں یہاں دکھائی گئی ہیں۔ تصویر ۳۱ والے کانسے کے پن موہن جو داڑو میں پائے گئے ہیں۔

کے سینگ پیچھے کو ہرائے ہوئے ہیں اور مجسمہ ہو بہو اصلی بھینس جیسا ہے۔ رقاصہ کی چھوٹی سی مورتی ہے جس میں دکھائی گئی لڑکی بڑے بے باکانہ شہوت آمیز انداز میں ننگی کھڑی ہے وہ صرف بہت سے کنگن پہنے ہوئے ہے۔ پکائی ہوئی مٹی کی بنی ہوئی چھوٹی چھوٹی چیزیں ملی ہیں۔ ان میں بے شمار مجسمے بیلوں اور بھینسوں کے ہیں، ان میں سے بعض فنکارانہ طور پر بنی ہوئی ہیں اور پُر معنی ہیں۔ لیکن زیادہ تر محض عام بازاری بکری کے لیے بنائے گئے ہیں۔ پکائی ہوئی مٹی کے انسانی مجسمے عام طور سے عورتوں کے ہیں جنھوں نے محض بہت سے زیورات پہن رکھے ہیں اور کچھ کے سر پر عجیب قسم کی پھیلی ہوئی اوڑھنی یا ٹوپی سی ہے چند ایک انسانوں یا جانوروں کے مضحکہ خیز مجسمے بھی ہیں۔

ٹھوس پہیے والے چھکڑے بہت عام پائے گئے ہیں یہ کھلونے ہیں اور زیادہ تر پکائی ہوئی مٹی کے ہیں، کچھ کانسے کے بھی ہیں۔ ان سب چیزوں میں بیشتر شاید کھلونے تھے لیکن یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ کچھ عورتوں کے اور سانڈوں کے مجسمے چڑھاوے کے طور پر پیش کرنے کے لیے

تھے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ بیلوں کے مجسمے ہیں گایوں کے نہیں، مرغیوں کے ہیں مرغوں کے نہیں۔ ظاہر ہے کہ بوجھ ڈھونے والے بیل اور انڈے دینے والی مرغی کو ترجیح حاصل تھی جیسے کہ ماں یا دیوی ماتا قوت تولید کی نشانی تھی۔

سندھ اور میسوپوٹیمیا کے تمدنوں کی اہم متضاد خصوصیتوں پر پہلے دھیان دیا جاچکا ہے لیکن یہ تضاد سب سے زیادہ دونوں خطوں میں استعمال کیے جانے والے اوزاروں کے نمونوں سے نمایاں ہوتا ہے۔ ساری سندھ کی تہذیب میں جو سب سے عام گھریلو اوزار پایا گیا ہے وہ متوازی اطراف والا چقماق کا پھل تھا جسے کاٹ کر بنائے گئے دستے کے ذریعے چوٹ لگانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔

تراشس میں خاص طور سے صفائی نہیں کی جاتی تھی اکثر دستے بہت چمکیلے دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ یہ صیقل کرنے کا بھی کام دیتے تھے۔ عصاؤں کے سرے اکثر پتھر کے ہیں لیکن تانبے اور کانسے کے سروں کی بھی مثالیں ہیں۔

تانبے۔ کانسے کے اوزاروں میں بھالے، چاقو، چھوٹی تلواریں، تیروں کے سرے، کلہاڑے اور مچھلی پکڑنے کے کانٹے شامل ہیں۔ بھالوں کے سرے نوک دار ہیں جیسے کہ دستے میں پھنسانے کے لیے بنائے گئے ہوں، اس لیے وہ چاقوؤں سے بہت مختلف دکھائی نہیں دیتے، اگرچہ کبھی کبھی چاقوؤں کے سرے مڑ کر ابھر کھائے ہوئے ہیں اور اسی طرح بھالوں سے الگ پہچانے جاسکتے ہیں۔ چاقوؤں کی یہ شکل سندھ تہذیب سے باہر کہیں اور شاذ ہی دیکھی گئی ہے ان سب اوزاروں کے پھلوں کی باریکی قابلِ غور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیر یا دستے کے بہت اندر رکھ کر (دبا کر) انھیں خاص طور سے کڑا کیا گیا ہے، کلہاڑے چپٹے ہیں اور ان میں دستے کو ٹھونک کر گاڑنے کا سوراخ نہیں ہے۔ شاید وہ دستے کے اندر درز میں پھنسا کر باندھ دیے جاتے تھے کچھ کلہاڑے لمبے اور پتلے ہیں اور الگ بھگ متوازی اطراف کے ہیں۔ کچھ مقابلتاً چھوٹے اور زیادہ چوڑے ہیں اور ان کے سرے خوب پھیلا دیے گئے ہیں۔ دستے کو ٹھونک کر گاڑنے کے سوراخ والے اوزاروں کی ایجاد مغربی ایشیا میں (یہاں تک کہ میسوپوٹیمیا میں ۴ ہزار برس قبلِ مسیح سے پہلے قرنِ عبید میں) ہوچکی تھی اور اس بہتر طریقے کی ساخت۔ چند موقعوں پر سندھ میں بھی پہونچ چکی تھی پھر بھی اتنا عرصہ بعد تک اس قدیم ساخت کے اوزاروں کا چلنا جاری رہنا غور طلب ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندھ تہذیب کے کاریگروں نے اپنے ہنر کے لیے تانبے کو پوری

(تصویر ۴، ۵) تہذیب سندھ کے مٹی کے برتن اکثر بہت نفیس قسم کے ہوتے ہیں اور بیشتر چاک پر بنے ہیں۔ سجاوٹ عموماً کالے رنگ کی ہے اس کے نمونے چاروں طرف گھومی ہوئی سیدھی لکیروں سے لیکر نئی طرح کے مصور ڈیزائنوں پر مشتمل ہیں۔ تصویر ۴، دائیں والا مرتبان ہڑپہ کے قبرستان آر۔۳۷ سے ملا ہے اور اس کے رنگوں میں بھورا، پیلا، گلابی، سرخ اور سیاہ رنگ شامل ہیں طرح طرح کے پتوں کے نمونوں کے ساتھ موروں کا مجموعہ دھیان دینے کے قابل ہے تصویر ۵، نیچے، ایک مٹکے اور رکابی کی ہے جو ہڑپہ میں مابعد تہذیب سندھ کے قبرستان 'ایچ' سے برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں تصویر ۴ والا سجاوٹ کا گھنا ڈیزائن نہیں ہے اور زیادہ کھلے نمونے کو پسند کیا گیا ہے۔ ان مثالوں میں مٹکے پر مور اور رکابی پر عجیب طرح سے ہرائے ہوئے سینگوں والا ہرن بنایا گیا ہے
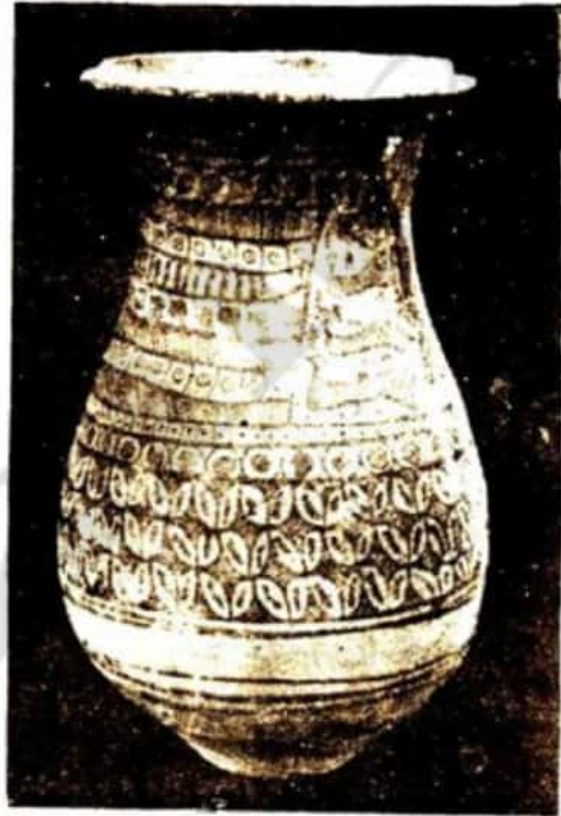
(تصویر ۷۶) متعدد ہلکے زرد رنگ کے تیکھے پیندے والے پیالے ملے ہیں جن پر مُہر کے ذریعے حروف چھپے ہیں یا یہ حروف کمہار کی چھاپ ہے۔ ایسے پیالے تہذیب سندھ کے پچھلے دور میں پائے گئے ہیں تصویر میں دکھائی گئی مثال ہڑپہ سے ملی ہے۔

(تصویر ۷۷) سامنے غیر معمولی نوعیت کے مٹی کے برتنوں کے دو ٹکڑے دکھائے گئے ہیں جن پر جانوروں کی شبیہیں بنی ہیں یہ موہن جو داڑو میں پائے گئے ہیں ان کے سرخ اور بھورے اور پیلے رنگ دلکش ہیں۔

طرح سے کبھی نہیں اپنایا۔ مقابلتاً مہنگی درآمدی دھات ہونے کی وجہ سے اس کے استعمال میں کفایت سے کام لیا گیا ہے، حالانکہ اوزاروں کے علاوہ کبھی کبھی اس دھات کے پیالے، کٹورے اور رکابیاں بھی بنائی گئیں، خام دھات شاید زمین کے راستے راجستھان یا افغانستان سے منگائی جاتی ہو مگر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ کچھ مزید درآمد سمندر کے راستے بھی ہوتی ہوگی یہ بات تو لگ بھگ یقینی ہے کہ رانگا اسی ذریعے سے لایا گیا ہوگا۔

ضروریاتِ زندگی کی ان اشیاء کے برعکس منکوں سے مغرب کے ساتھ تعلق کے کچھ واضح آثار دکھائی دیتے ہیں ان سے ہمیں یہ اندازہ لگانے میں مدد ملتی ہے کہ سندھ کی تہذیب بالکل ہی الگ تھلگ نہیں تھی۔ نمایاں محوری نلی والے سونے کے گول منکے موہن جو داڑو میں، اور ۲۳۰۰ - ۲۴۰۰ قبلِ مسیح کے لگ بھگ میسوپوٹیمیا میں اور تقریباً ۲۳۰۰ قبلِ مسیح میں ٹرائے ۲ جی (II G*) میں پائے گئے ہیں جبکہ مٹی کے سجاوٹی نقلی منکے جو سندھ کی تہذیب کے علاقوں سے

* کھدائی کے مقامات کا جب نقشہ تیار کیا جاتا ہے تو مختلف حصوں کی نشان دہی اور حوالے کی غرض سے اس کو A - B وغیرہ نام دے دیا جاتا ہے۔

ہیں شاید مقامی طور پر بنائے گئے تھے۔

مٹی سے بنے نقلی منکے جو کئی حصوں کو جوڑ کر تیار کیے گئے تھے سندھ کی تہذیب میں اکثر پائے جاتے ہیں اور ۲۰۰۰ - ۱۵۰۰ قبل مسیح کے درمیان شمالی سیریا، کریٹ اور مصر میں بھی پائے جاتے تھے۔ موہن جو داڑو، چانہو داڑو اور میسوپوٹیمیا میں اُر، کش اور تل اسمار میں (لگ بھگ ۲۲۰۰ قبل مسیح) پائے گئے عقیق احمر کے کندہ نقاشی والے منکے بالکل ایک جیسے ہیں۔ دیگر قسمیں زیادہ مقامی نوعیت کی ہیں، لیکن ان میں خصوصی سہ برگی سجاوٹ (trefoil deuration) بھی ہے (جو غالباً نجومی اہمیت کی حامل ہے) یہ سجاوٹ موہن جو داڑو کے ایک مجسمہ اور پتھر کے بنے ایک پایہ پر بھی پائی گئی ہے اور میسوپوٹیمیا، کریٹ اور مصر میں ۲۳۰۰ اور ۱۲۰۰ قبلِ مسیح کے درمیان کے زمانے کی پتھر، مٹی اور لکڑی کی چیزوں پر بھی۔ چنانچہ سندھ کی تہذیب اس بات کی مثال مہیا کرتی ہے کہ گہنوں اور طلسمی تعویذوں (یا ان کے نمونوں) کا ایک سے دوسری تہذیب میں تبادلہ ہوتا رہتا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ تکنیکی طور پر بنیادی آزادروی بھی تھی یہ مثال بالکل واضح ہے مگر اس کی مثال نہیں ہے۔

آخر میں مٹی کے برتنوں کی طرف آیئے، سندھ تہذیب کے بیشتر برتن چاک پر بنے ہیں اور گلابی سے رنگ کے ہیں جن پر شوخ لال رنگ کا مٹی کا گھول پھیر دیا گیا ہے ویسے سجاوٹی نمونوں کے پس منظر کی بھی کمی نہیں۔ نقش و نگار عام طور سے کالے رنگ کے ہیں۔ یہ یا تو موٹی اور باریک اُفقی لکیروں پر مشتمل ہیں یا زیادہ مصورانہ نمونے ہیں۔ خاص کر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے دائرے۔ فلسِ ماہی کے ڈیزائن۔ متضاد رنگوں کے مربعوں کے سلسلے۔ پیپل کے پتے، گلاب کے پھول کے نقش۔ جالی دار نمونے یا کہیں کہیں مور اور مچھلی کی تصویریں بنائی گئی ہیں انسانی شبیہیں بہت ہی کم ہیں اور مقابلتاً بھدی ہیں۔ برتنوں میں اونچے پائے والی رکابیاں یا پھل رکھنے کی طشتریاں (ایک ایشیائی ساخت جو بہت بڑے علاقے میں اور ایک لمبے زمانے تک عام رہی ہے) سجاوٹی مٹکے والے چھوٹے برتن۔ پتلے پایوں والے بڑے پیالے یا مرتبان، تلے پائے والے پینے کے پیالے شامل ہیں۔ موخر الذکر پیالوں پر کہیں کہیں مہر سے حروف چھپے پائے گئے ہیں قیاساً یہ برتن بنانے والوں کے نام ہیں۔ ایسے پیالے صرف سندھ تہذیب کے بعد کے دور کے آثار ہیں۔ اس تہذیب کی زیادہ جنوبی توسیع کاٹھیاواڑ (یا سوراشٹر) میں اس ساخت کا غالباً استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔ دوسرے سرے پر سندھ یا نواحی خطوں میں ماقبل سندھ تہذیب اور غیر سندھ تہذیب کی جو بستیاں تھیں ان میں یہ ساخت بالکل معدوم تھی

سندھ کی تہذیب کے مٹی کے برتنوں سے عام تاثر یہ ہوتا ہے کہ بڑی کاریگری کے ساتھ انھیں بڑے پیمانے پر تیار کیا جاتا تھا۔

سندھ تہذیب سے قبل کے تمدن

سندھ تہذیب کا مادی منبع کیا تھا؟ یہ جاننے کے لیے باقاعدہ کھوج کی ابھی ضرورت ہے اور اس کی تنظیم کرنا یقیناً دشوار نہ ہوگا۔ مثال کے طور پر شمالی بلوچستان کی ژاب وادی میں ڈابر کوٹ کے اونچے ٹیلے کے پہلوؤں میں سندھ کے تمدن کے ساتھ ساتھ اوپر اور نیچے کی تہوں سے دیگر تمدنوں کے نمونے ملے ہیں۔ اگر ہوشیاری سے پُر مقصد کھدائی کی جائے تو کھدائی کے ایک ہی موسم میں خاطر خواہ مسئلہ حاصل ہو سکتا ہے یا پھر۔ سندھ میں جیکب آباد سے اٹھارہ میل شمال کی جانب حال ہی میں جدیر جو دڑو میں سندھ کی تہذیب، ایک خاصا بڑا مقام دیکھنے میں آیا ہے یہ میدانی علاقے میں ہے بظاہر یہاں مقابلتاً ابتدائی دور کی

(تصویر ۸۔ مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے ہڑپہ کی قلعہ بندی کے نیچے کھدائیوں سے ملے ہیں۔ یہ تہذیب سندھ سے پہلے کے ایک تمدن کی اہم شہادت ہیں۔ ان برتنوں کی بڑی صفائی سے کھینچی گئی سیدھی کالی لکیروں کی سجاوٹ ان مٹی کے برتنوں سے مشابہ ہے جو شمالی بلوچستان کے مقامات پر اور کوٹ ڈیجی میں پائے گئے ہیں۔

تہذیب ہونے کے آثار ہیں۔ بلاشبہ اس مقام سے ہمیں اپنے سوال پر نئی اور تمہیدی روشنی ملتی ہے۔ موجودہ حالت میں چار مقام خاص طور سے (وہ پانچ مرکز سمجھے جا سکتے ہیں)۔

پہلا مقام آمری ہے جو سندھ میں موہنجو دڑو سے ۱۰۰ میل جنوب کو ہے وہاں کوئی ۲۰ ایکڑ رقبے میں ٹیلوں کا ایک سلسلہ ہے پہلے یہ ایک ہی لمبا ٹیلا تھا مگر نواحی دریائے سندھ کے سیلابوں سے جگہ جگہ سے کھل گیا اور مختلف حصوں میں بٹ گیا۔

اس مقام کی اہمیت کو ۱۹۲۹ء میں تسلیم کیا گیا اور ۶۲ - ۱۹۵۹ء میں جے۔ ایم۔ کیسل نے اس کی تفصیل کے ساتھ کھدائی کروائی۔ یہاں کی خاص بات یہ ہے کہ اس جگہ (سندھ کی تہذیب کے) ہڑپہ تمدن کے آثار ملے ہیں جو ایک زیادہ قدیم تمدن کے اوپر حاوی ہے اس قدیم تر تمدن کو آمری تمدن کا نام دیا گیا ہے۔ دونوں تمدن اس دور کے ہیں جب پتھر اور کانسے دونوں کے اوزار استعمال کیے جاتے تھے شروع میں ہی تانبے اور کانسے کے ٹکڑے موجود تھے۔ بعد کے دور میں ان کی تعداد کچھ بڑھتی گئی لیکن کسی بھی وقت ان دھاتوں

لی انسراط نہیں تھی یا پھران کے آثار بیشتر تباہ ہو گئے ہیں چھماق کے پھل اور کاٹ کر بنائے گئے دستے لگاتار مستعمل رہے۔

آمری تمدن کے چار دور ہیں (A سے D) ان میں سے بعد کے دو دوروں کی خصوصیت کچی اینٹوں کی تعمیریں ہیں ان میں بہت سی چھوٹی بغیر دروازے کی کوٹھریاں شامل ہیں غالباً وہ محض تہہ خانے تھے۔ مٹی کے برتن شروع میں زیادہ تر ہاتھ کے بنے ہوتے تھے۔ جوں جوں تمدن کا ارتقا ہوا چاک کا استعمال بڑھتا گیا۔ بہت سے اور زیادہ خصوصی برتن پیلے ہلکے پیلے یا گلابی رنگ کے ہیں۔ عموماً برتن کے اوپر کے حصے (گردن) پر سرخی نما بھورے رنگ کی سادہ پٹی اور اس کے ساتھ کالے یا چاکلیٹ رنگ کا دائرہ، مربعوں وغیرہ کا ڈیزائن بنا ہوتا ہے۔ مجموعی طور پر رنگا رنگ سجاوٹ کا تاثر ملتا ہے۔ بظاہر نقاشی کے نمونے برتن کو پکانے کے بعد بنائے گئے ہیں۔ ان نمونوں میں متضاد رنگوں کے مربعوں یا بار بار متوازی لکیروں کے سلسلے تکونیں، متوازی الاضلاع ٹیڑھی میڑھی لکیریں یا یونانی رسم الخط کے حرف سگما (Σ) جیسے نقش شامل ہیں۔ صرف اس قرن کے اختتام پر ہی جانوروں کی شکلیں بننے لگیں۔ کہیں کہیں ان کے نقش کافی جاندار ہیں جیسے کہ بکریوں جیسے چوپایوں کی ایک تصویر، جن کے ساتھ ایک کتا یا بھیڑیا ہے۔ اکثر و بیشتر روایتی انداز سے بنایا گیا ایک سانڈ ہی کافی سمجھا گیا ہے،

(تصویر ۷۹) نام نہاد نل قسم کے برتن بلوچستان میں ملے تھے۔ اس قسم کے مٹی کے برتن تہذیب سندھ سے پہلے کے ہیں لیکن کسی لحاظ سے بھی انھیں تہذیب سندھ کے برتنوں کے فن کے جنم داتا نہیں کہا جاسکتا۔
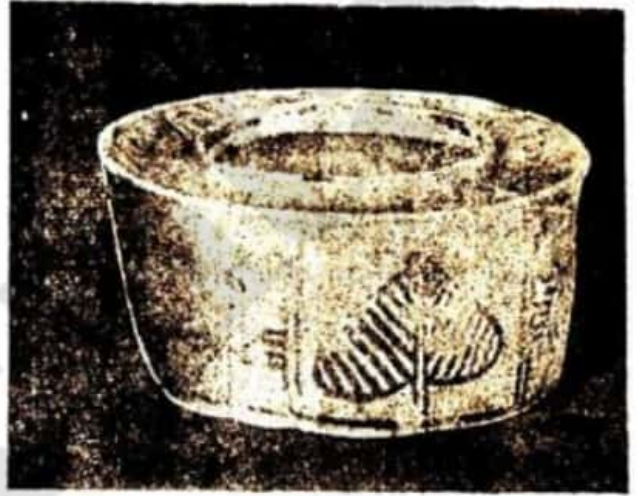
جو عام طور سے پیلی سطح پر بھورے رنگ کا ہوتا ہے۔

کسی بھی اہم پہلو سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ آمری تمدن کے مٹی کے برتن سندھ کی تہذیب کے برتنوں سے عین پہلے کے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس، ایسے بھی کوئی آثار نہیں کہ یہ ان سے بہت زیادہ قدیم زمانے کے ہیں۔ ان برتنوں کے نمونے زیادہ تر دریائے سندھ اور جنوبی بلوچستان کی پہاڑیوں کے درمیانی علاقے کے متعدد مقامات پر ملے ہیں لیکن ان کا تعلق کوئٹہ اور سمندر کے درمیانی پہاڑی علاقوں کے مختلف تمدنوں کے برتنوں سے ہے۔ اس دور کے اختتام پر ان ساختوں کا ہلکا سا اثر آپڑا ہے جنھیں ہڑپہ تمدن کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ ہڑپہ والی ملاوٹ آگے آنے والے "درمیانی" دور میں زیادہ نمایاں ہوگئی ہے۔ تبھی مذکورہ تمدن کا علاقہ بھی سمٹ گیا تھا اور ایسے آثار ہیں کہ اس کا عام زوال بھی ہوا تھا۔ یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہڑپہ والے بڑھ کر اس خطے میں پھیل رہے تھے اور وہاں کے قصبوں کے مقابلے میں اپنے قصبے آباد کر رہے تھے، جیسے کہ چانہوداڑو میں دریائے سندھ کے پار تیس میل سے بھی کم مشرق میں واقع ہے۔

ساتھ ہی کچھ ٹھیکروں پر جانوروں کی ایسی تصویریں ملتی ہیں جو جنوبی بلوچستان کے کُلی (KULLI) تمدن کے مشابہ ہیں یہ تمدن جزوی طور پر ہڑپہ اور موہن جو داڑو کا ہم عصر تھا (مثلاً بیلا کے شمال کی طرف نندداری میں) اور اس پیچیدہ دور کی مختلف صنعتوں میں ایک اور کارآمد کڑی

کی نشان دہی ہوتی ہے۔

آمری تمدن کا زوال اُس کے عام ہڑپہ دور میں اور بعد میں آنے والے 'جھکر' اور "جھنگر" دوروں میں، جن کا ذکر آگے کیا جائے گا جاری رہا۔ مجموعی طور پر آمری کی کہانی ہمیں ان ثبوتوں کے لیے تیار کرتی ہے جو اب دوسرے مقامات سے برآمد ہو رہے ہیں۔ سندھ کی وادی کی تہذیب ایسی نہیں تھی کہ وادی کے اندر یا کہیں اور دوسرے تمدنوں کو فوراً ہی اپنے اندر سمیٹ کر جذب کرے۔ تعین وقت کے اعتبار سے سندھ کی تہذیب کے سلسلے کے اندر کسی چھوٹے قصبے کا ظہور یا اُس کا عہد شاید موہن جو داڑو اور ہڑپہ کے ظہور اور عہد سے کوئی زیادہ تعلق نہ رکھتا ہو۔ موجودہ زمانے میں بھی جو مختلف عناصر بیک وقت کارفرما رہتے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہمیں کسی طرح کے نتائج اخذ کرنے میں محتاط رہنا چاہیے۔ یہ امر غیر معمولی نہیں ہے کہ بڑے پیمانے پر سامان بنانے والے کارخانوں کے ساتھ ساتھ دیہاتی صنعتیں بھی چلتی رہتی ہیں۔ لوتھل اور کالی بنگن جیسے مقامات سے برآمد شدہ آثار کی کاربن ۱۴* کے طریقے سے جو تاریخیں متعین کی گئی ہیں، ہو سکتا ہے ان کی بنا پر ہمیں اس تہذیب کی شہری زندگی کے انجام کا وقت طے کرنے میں واضح ناکامی ہو۔

متذکرہ بالا چار منتخب جگہوں میں سے دوسری خود ہڑپہ ہے، وہاں قلعے کے حفاظتی انتظامات سندھ کی تہذیب کے آغاز کی نشان دہی کرتے ہیں اور ان کے نیچے ۱۹۴۶ء میں اس تہذیب سے پہلے کے تمدن کے ہلکے سے آثار ملے ہیں۔ یہ آثار مٹی کے گہرے لال بینگنی رنگ کے برتنوں کے ٹکڑوں تک محدود ہیں۔ ان کی سجاوٹ خاص کر کنگوروں پر احتیاط سے کھینچی گئی کالی پٹیوں سے کی گئی ہے۔ ان برتنوں کے ٹکڑوں سے غیر سندھ تہذیب کے دوسرے برتنوں کی یاد آتی ہے جو کوٹ ویجی اور کالی بنگن میں اور شمالی بلوچستان میں ملے ہیں لیکن ارتقا یافتہ تہذیب سندھ کے مٹی کے برتنوں کے ساتھ ان کی کوئی قریبی مشابہت نہیں ہے

تیسرا مقام چاروں میں سے سب سے زیادہ قابلِ توجہ ہے۔ موہن جو داڑو سے ۲۵ میل شمال مشرق میں کوٹ ویجی میں ایف اے خان نے جو کھدائی کرائی ہے۔ اس سے ایک قلعہ بند گاؤں برآمد ہوا ہے۔ یا یہ کہیے کہ ایک چھوٹا سا قصبہ جس میں حفاظتی انتظام

* تاریخی اشیاء کے عہد اور زمانے کے تعین کا ایک طریقہ

سے بیس قائم ہے۔ جو تہذیب سندھ والی ایک کھلی بستی کے نیچے پایا گیا ہے۔ اس مقام پر آبادکاری کی سولہ تہیں دیکھنے میں آئی ہیں جن میں آخری تین خصوصی طور پر سندھ کی تہذیب کی نمائندہ ہیں، چوتھی مخلوط ہے اور باقی ایک قدیم تر تمدن کی نشان دہی کرتی ہیں)، جسے خصوصی طور پر کوٹ ڈیجی تمدن کا نام دے دیا گیا ہے۔ ۵۷۳۰ برس کی نصف زندگی (Half life) کی بنا پر کوٹ ڈیجی کی ایک بعد کے زمانے کی تہ (اوپر سے نمبر ۴ اے) کاربن ۱۴ کے طریقے سے قبل مسیح ۲۱۰۰ ± ۱۴۰ برس پرانی مانی گئی ہے اور تہ نمبر ۱۴ کی (جس کے نیچے دو اور تہیں ہیں) تاریخ قبل مسیح ۲۶۰۰ ± ۱۴۵ تعین کی گئی ہے۔ کوٹ ڈیجی کی تہ ۴ اے کی تاریخ مکمل ہڑپہ تمدن سے عین پہلے کی ہے۔ اس کے اگر مزید آثار سے تصدیق ہو جائے تو یقیناً یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ کوٹ ڈیجی کا تمدن گرد و نواح میں ہڑپہ یا سندھ کی وادی کے تمدن کی آمد کے کافی عرصہ بعد تک وجود میں رہا۔ ہڑپہ کے خصوصی عناصر جیسے کہ کھپریلی ترتیب کا کوٹ ڈیجی کی تہوں میں ہونا دونوں تمدن کے لمبی مدت تک ساتھ ساتھ رہنے کا ایک ثبوت ہے۔ یہاں پھر ہمیں بڑے شہروں اور صوبائی مقامات کے ارتقا اور وقت کے فرق کا پتہ چلتا ہے۔

اوپر کی تین تہوں کی کھلی بستی میں سندھ کی تہذیب کے مٹی کے برتنوں کی خصوصیات ملتی ہیں۔ چھلنیاں، ٹھیکروں پر بنے ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے دائرے۔ پیپل کے پتے۔ کنگھیاں اور کھپریلی ترتیب کی سجاوٹ کالے یا لال رنگ میں۔ اس بستی اور نیچے کے کوٹ ڈیجی تمدن کے آثار کے درمیان ایک جلی ہوئی تہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ایک پہلے سے آباد بستی کی تباہی کی نشان دہی کرتی ہے، جس کی حفاظتی قلعہ بندی پتھر کی بنیاد پر کچی اینٹوں کی تھی۔ مکانوں کی دیواریں بھی سب اسی طرح کچی اینٹوں کی تھیں جن کے نیچے کے اڈے پتھر کے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پختہ اینٹوں کا **استعمال** قطعی نہیں ہوتا تھا۔ سب سے اوپر والی (سندھ تہذیب کی) تہوں میں تانبے اور کانسے کے نمونے ملتے ہیں لیکن یہ کوٹ ڈیجی تمدن کی بستی میں نہیں ہیں۔ اس تمدن میں چقماق کے اوزاروں کے پھل اور دستے اور چقماق کے ہی پتے کی شکل کے تیروں کے سرے بنتے تھے۔ جو بلوچستان۔ سندھ خطے میں اور کہیں بہت ہی کم پائے گئے ہیں۔ کوٹ ڈیجی کے مٹی کے برتن چاک پر بنے ہیں اور ہلکے اور پتلے ہیں۔ رنگ میں گلابی اور لال ہیں، عام طور پر کالے رنگ سے کھینچی افقی لکیروں یا کہیں کہیں لہریے یا جھلّوں سے

ان کی سجاوٹ کی گئی ہے۔ ہڑپہ میں قلعے والے تمدن سے پہلے کے جو مٹی کے برتن ملے ہیں یا آمری سے جو برتن برآمد ہوئے ہیں ان سے ان کی نمایاں مشابہت ہے۔ لیکن دو پہلوؤں سے یہ کوٹ ڈیجی کا تمدن سندھ کی تہذیب سے ٹھیک پہلے کا ہے یا اس کے ساتھ کا ہے۔ ایک تو یہاں کے مٹی کے برتنوں میں ایسے برتن پہلے ہی سے موجود ہیں جن پر سندھ کے خصوصی کھپریلی ترتیب والے نمونوں سے سجاوٹ کی گئی ہے۔ دوسرے پکائی ہوئی مٹی کے کچھ عجیب نوعیت کے ٹکڑے ٹکڑے ملے ہیں (ڈیڑھ سے چار انچ آر پار لمبائی کے) جو سندھ تہذیب کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھے گئے ہیں۔ یہ ٹکڑے غیر یقینی طور پر مذہبی رسوم کی کوئی چیز خیال کیے جاتے تھے لیکن چونکہ زیادہ تر ٹکڑے نالیوں میں پائے گئے ہیں اس لیے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ جسمانی صفائی کے کام کے تھے۔ جو بھی ہو، کوٹ ڈیجی اور سندھ تہذیب کے باسیوں کے درمیان ایک تعلق کا اشارہ ملتا ہے حالانکہ اس تعلق کی اہمیت ابھی تک یقینی طور سے طے نہیں کی جا سکی ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے کہ کوٹ ڈیجی کا تمدن سندھ تہذیب کے شہروں کا جنم داتا تھا۔ زیادہ امکان یہی ظاہر کرتا ہے کہ یہ جزوی طور پر ان سے پہلے کا اور جزوی طور پر ساتھ کا صوبائی تمدن تھا جو بالآخر موہن جو داڑو کے دائرۂ اثر میں لے آیا گیا۔ اس لحاظ سے کوٹ ڈیجی سے ملنے والے ثبوت اسی طرح کے ہیں جیسے آمری سے ملے آثار۔ چوتھا مقام شمالی راجستھان میں واقع کالی بنگن ہے جس کی کھدائی ۱۹۶۱ء سے جاری ہے۔ کھدائی کے مقام پر مغربی ٹیلے کے دامن میں ہڑپہ سے پہلے کے یا ابتدائی ہڑپہ دور کے تمدن کا پتہ چلتا ہے جب پتھر اور کانسے دونوں کے اوزاروں کا چلن تھا، عمارتیں کچی اینٹوں کی تھیں (پکی اینٹ کا کہیں استعمال نہیں ہوا ہے) مٹی کے برتن بیشتر بے چمک لال رنگ کے ہیں جن پر کوئی اور رنگین گھول نہیں پھیرا گیا ہے۔ گردن کے گرد کالی پٹیاں ہیں جن کے ساتھ گول گول کٹے سے جڑے ہوئے ہیں یا ساتھ میں پتے یا پتلی لکیروں سے بنے نمونے یا تکونیں ہیں۔ ان کی کوٹ ڈیجی یا خود ہڑپہ میں پائے گئے ہڑپہ تمدن سے پیشتر یا غیر ہڑپہ تمدن کے برتنوں سے بہت مشابہت دیکھی گئی ہے لیکن سندھ کی تہذیب کے ساتھ ان کا تعلق اگر کوئی ہے، ابھی محض قیاس کی بات ہے۔

الغرض، مزید بحث کیے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ فن اور کاریگری کے محدود تر پہلوؤں سے سندھ کی تہذیب کی فوری مادی ابتدا ابھی ثابت نہیں کی جا سکی ہے۔ لیکن اس مسئلے کے وسیع تر پہلو بھی تو ہیں۔ اگر ہمیں اپنے مطالعے کو محض ایک خبر سے کچھ زیادہ بنانا ہے تو کم ازن لیکن
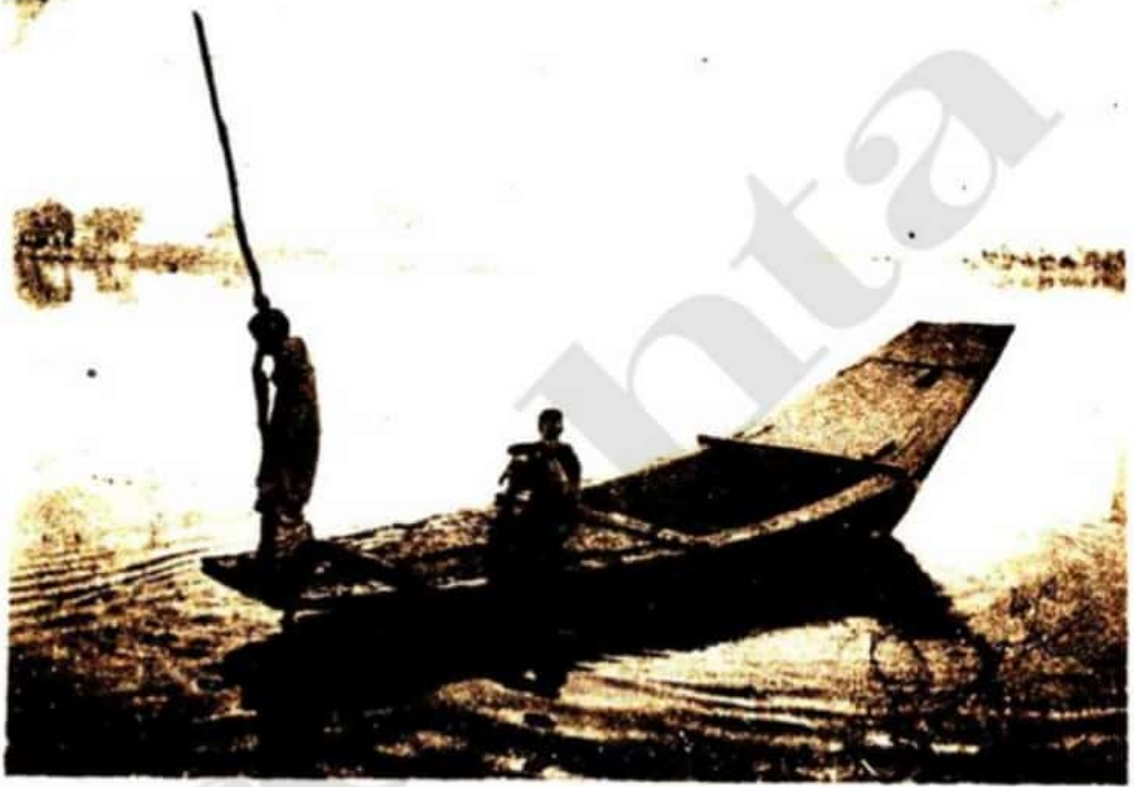
(تصویر ۸۰) وادیٔ سندھ کے عظیم دریا ہمیشہ ہی آمد و رفت اور خوراک کا ایک ذریعہ رہے ہیں آجکل دریائے سندھ میں چپٹے پیندے کی جو کشتیاں ماہی گیری کے لیے استعمال کی جاتی ہیں وہ غالباً اسی طرح کی قدیم کشتیوں کی نشان دہی کرتی ہیں۔ موخرالذکر قسم کی کشتیوں کے بہت کم آثار اب تک بچ رہے ہیں۔

مقابلتاً زیادہ قیاسانہ نوعیت کے عناصر کو اس سلسلے میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

وادیٔ سندھ کے ابتدائی آباد کار

سب سے پہلے اس بات پر زور دینا ہوگا کہ کسی تجسس پسند ذہن کے لیے وادیٔ سندھ پُرکشش بھی ہے اور اسے عقدہ کشائی کے لیے للکارتی بھی ہے۔ اس وقت میں یہ کچھ حد تک دلدلی جنگلوں کا علاقہ تھا جہاں آزار کن درندے بستے تھے۔ ان ہی درندوں کی شبیہیں سندھ کی مہروں کی زینت بنیں۔ اس وادی کے میدان دور دور تک زرخیز تھے سال کے سال آنے والے سیلاب ان کی زرخیزی کو تازہ کر دیتے تھے بڑے بڑے دریا، جو خوراک کے قابل مچھلیوں سے بھرپور تھے پہاڑیوں اور سمندر کے درمیان قدرتی گذرگاہ بھی تھے۔ کسی پہاڑی کمیں گاہ

کی گھٹن میں پڑا ہوا کوئی بھی انسان جس کے سامنے اتنے وسیع امکانات ہوں اور جس کا ذہن نئی زندگی کے نقشے بنانے والا ہو بہتری کے جذبے کی کشش محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا لیکن محض بہتری کا جذبہ ہی اسے بہت آگے نہیں لے جا سکتا تھا۔ بڑے بڑے دریا اپنی تمام برکتوں کے باوجود دغاباز اور طاقت ور دشمن بھی تھے۔ جس نے بھی کسی بڑے دریا کی طغیانی دیکھی ہو وہ اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے کہ دریا اگر زمین کو زرخیز کرتے ہیں تو تباہی کی بھی لاتے ہیں ان سے بچنے کے لیے بڑے پیمانے پر دانش مندانہ اور مسلسل کاوشوں سے انھیں روکنا اور معلومہ سمتوں میں موڑنا ضروری ہے۔ اگر کوئی سماج اس میدان کے فراہم کردہ وسیع مواقع سے فیض یاب ہونے کا پختہ ارادہ رکھتا ہو تو یہ لازمی ہے کہ ابتدا ہی سے اس میں دشوار اور پر خطر ماحول کو زیر کرنے کی اہلیت بھی ہو۔ یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ سندھ کی تہذیب جیسی کسی تہذیب کا ارتقا دھیرے دھیرے اور تحمل کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ اس کے مسائل کی طرح اس کی فتوحات بھی اچانک ہی ظہور پذیر ہوئی ہوں گی۔ اس لیے اس تہذیب کے مادی منبع جات کی سلسلہ وار تلاش لمبی بھی ہو سکتی ہے اور لطیف بھی اور شاید یہ دیگر باتوں سے زیادہ اہم بھی نہ ہوگی۔

ذہنی طور پر اس تہذیب کے بانیوں کو ایک بڑی برتری حاصل تھی ان سے کچھ ہی پہلے دو عظیم دریائی تہذیبیں وجود میں آچکی تھیں میسوپوٹیمیا میں اور مصر میں۔ مادی اعتبار سے ان دونوں میں سے کوئی بھی تہذیب اس کی جنم داتا یا فوری منبع نہیں سمجھی جا سکتی، سندھ کی تہذیب کے اپنے انفرادی اسالیب ہوتے تھے اور طرزِ تحریر، اس کی نوعیت جداگانہ تھی اور یہ مغرب کی محض ایک نو آبادی نہیں تھی، لیکن خیالات کے بھی پر ہوتے ہیں اور تیسرے ہزار سالہ قبل مسیح قرن میں تہذیب کا تخیل مغربی ایشیا کی فضا میں تھا۔ تہذیب کا ایک نقشہ خواہ وہ کتنی ہی غیر مادی نوعیت کا ہو، سندھ تہذیب کے بانیوں کے ذہن میں موجود تھا۔ انھیں میسوپوٹیمیا یا مصر کے مقابلے میں زیادہ وسیع مسائل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان مسائل کے خلاف اپنی مسلسل جدوجہد میں (اغلباً) یہ احساس قوت دیتا رہا ہوگا کہ یہ سب یا ایسا ہی کچھ پہلے بھی ہو چکا ہے اور اسی احساس کے سہارے ایک کے بعد دوسری ناکامی کے بعد (جس کی آمری اور کوٹ ڈیجی محض مثالیں ہیں) وہ فتح یاب ہوتے ہوں گے۔

کچھ ایسے ہی طریقے سے سندھ کی تہذیب کے ابتدائی دور کا نقشہ کھینچا جا سکتا ہے۔ ایک دیہاتی یا چھوٹے قصبوں والے سماج کا انجام کار کامیاب ہونا، جس کے ارادے محکم اور
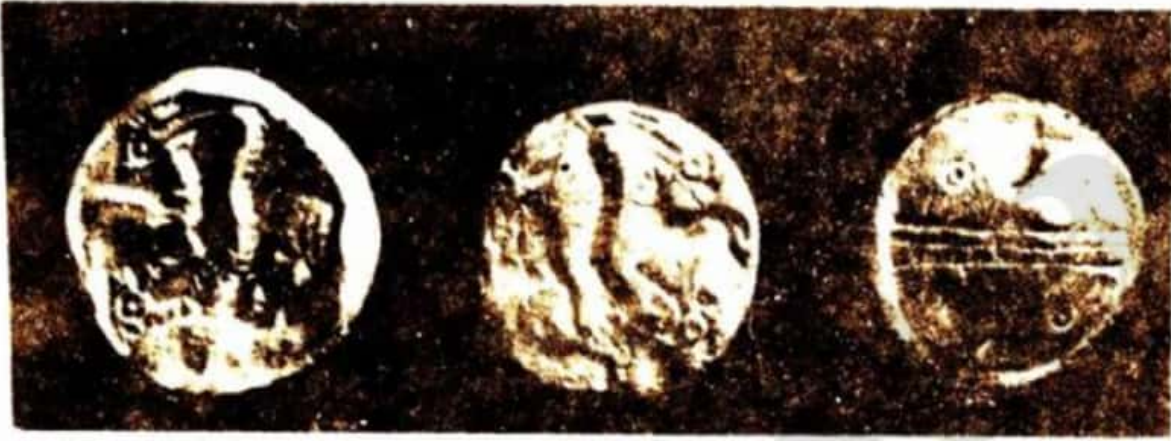
(تصویر ۱۸) سنگ صابون کی بنی یہ مہر حال میں لوتھل میں کی گئی کھدائیوں سے ملی ہے۔ یہ گول مہر ڈیزائن میں نہ تو مکمل طور پر ہندوستانی ہے نہ سمیری۔ جس قسم کی یہ مہر ہے اسے خلیج فارس والی مہر کہا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی مہریں خلیج فارس کی تجارت کے سلسلے میں مال کو عارضی طور پر گوداموں میں رکھنے کے مقامات پر بنتی تھیں خصوصاً بحرین میں (موازنہ بہ تصویر ۴۱ - ۴۲)

رہنما اچھے تھے اور جس کی رگوں میں ایک عظیم اور پختہ تخیل کو عملی جامہ پہنانے کا جوش تھا۔ اس ڈرامائی انداز سے اپنے عزم کو پورا کرنے میں سندھ کی تہذیب کے یہ لوگ نہ سب سے پہلے تھے نہ سب سے آخری۔ روایتی انداز پر کھدائی سے دریافت شدہ آثار کی محدود بنا پر اس طرح کا خاکہ کھینچنا آسان نہیں ہے۔ اس کمی کی وجہ سے یا اس خاکے کی بناوٹ میں اس غیر مادی عنصر کی موجودگی کی وجہ سے اس کا کم حقیقی ہونا لازمی نہیں۔

سندھ تہذیب کی وسعت اور اقتصادی زندگی

اپنی زندگی کے کسی نہ کسی دور میں سندھ کی تہذیب کی وسعت حیران کن حد تک بڑھ چکی تھی، جسے سندھ کا محور کہا جا سکتا ہے اس سے ایک ہزار میل تک یہ تہذیب پھیلی ہوئی تھی ایک طرف بحرہ عرب کے ساحل کے قریب شتکاگن ڈور سے لیکر، جو کراچی سے ۳۰۰ میل مغرب میں تھا، دوسری طرف شملہ کی پہاڑیوں کے دامن میں روپڑ تک۔ جنوب مشرق کی طرف ساحل کے ساتھ ساتھ حالیہ برسوں میں جو کھدائی کی گئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس تہذیب کا پھیلاؤ کراچی سے ۴۲۵ میل سے بھی زیادہ دور تک بڑھ چکا تھا۔ کاٹھیاواڑ یا سوراشٹر میں سے ہوتے خلیج کھمبات کے سرے پر نربدا اور کم کے دہانے تک، اس نئے ساحلی پھیلاؤ کی تحقیق سے سندھ

کی تہذیب کے مطالعے میں ثقافت اور وقتی ترتیب دونوں کے اعتبار سے نئے اور اہم عناصر سامنے آتے ہیں اور نئے عناصر یہیں ختم نہیں ہوجاتے ۱۹۵۸ء میں پہلی بار اس بات کے یقینی ثبوت ملے کہ سندھ کا تمدن، پکائی مٹی کے خصوصی ٹکڑوں سمیت، صحرا اور جنگل کی ان رکاوٹوں کو پھاند گیا تھا یا اُن سے ایک طرف ہو کر آگے بڑھ گیا تھا جو پہلے یمنا یا جمنا کی وادی کو اس تہذیب سے باہر رکھنے کا باعث سمجھی جاتی تھیں اور یہ تمدن عالم گیر پور تک پہونچ گیا تھا۔

یہ جگہ جمنا کے ایک معاون دریا کے قریب میرٹھ سے ۱۷ میل مغرب میں اور دلی سے صرف ۲۸ میل شمال مشرق میں ہے۔ ایک اور خبر کی کہ مزید جنوب مشرق کی طرف کوشاہی کے قدیم شہر کے نیچے سندھ تہذیب کے مٹی کے برتن پائے گئے ہیں ابھی تصدیق نہیں ہوئی ہے لیکن یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اب شمالی میدانوں میں سندھ تہذیب کے یا جزوی طور پر اس کے زیر اثر آئے ہوئے مقامات کے ایک سرحدی سلسلے کا پتہ چلے گا۔ گذشتہ دس بارہ برسوں میں سندھ تہذیب کے ڈھانچے میں خاصی وسعت ہوئی ہے اور اہم تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔

اس عظیم تہذیب کا طرزِ معاش کیا تھا؟ سب سے اول مقام، میسوپوٹیمیا اور مصر کی بزرگ تر ہم عصر تہذیبوں کی طرح، زراعت کو حاصل تھا۔ گیہوں اور چھ دھاریوں والے جو کی کاشت کی جاتی تھی، کھیتوں میں مٹر بھی پیدا کی جاتی تھی۔ خربوزے کے بیج، تل اور کھجور کی کچھ گٹھلیاں بھی ملی ہیں ان کے علاوہ کپاس کے نشانات پائے گئے ہیں جو دنیا بھر میں اب تک کی معلومات کے مطابق سب سے قدیم ہیں۔ ہوسکتا ہے چاول کی کھیتی بھی ہوئی ہو لیکن ابھی تک (لوتھل میں) اس کا جو ثبوت فراہم ہوا ہے وہ بہت ہلکا سا ہے۔ گھریلو جانوروں میں کتے، بلیاں کوہان والے مویشی، چھوٹے سینگوں والے مویشی اور بھینسیں شامل تھیں۔ سوروں، اونٹوں گھوڑوں اور گدھوں کے ہونے کا بھی امکان ہے، شاید ہاتھی بھی تھا پر اس کا واحد ثبوت یہ ہے کہ سندھ تہذیب کی مہروں پر بنی ہاتھی کی شبیہوں میں اس جانور کی پیٹھ پر کپڑا شناخت کیا گیا ہے اور یہ شناخت کافی حد تک یقینی نہیں ہے لیکن خواہ ہاتھی پالتو تھا یا نہیں مگر ہاتھی دانت کا استعمال خوب ہوتا تھا۔

زراعت کے بعد تجارت۔ یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ زمینی راستوں پر تجارتی قافلے چلتے تھے اس کے علاوہ اب یہ معلوم ہوچکا ہے کہ سندھ کی تہذیب کے علاقے میں لمبا سمندری ساحل تھا اور دریاؤں کا جال بچھا تھا یہ امر پانی کے راستے کافی بڑے پیمانے پر ملکی اور غیر ملکی تجارت کے لیے موافق

تھا۔ آثارِ قدیمہ اور ارضیات کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ برآمدات میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ جنوبی ہند یا افغانستان سے سونا، راجستھان یا افغانستان یا اس سے بھی دور سے تانبہ، افغانستان سے سنگ لاجورد، ایران سے فیروزہ اور غالباً جنوبی ہند سے خاص قسم کا ابرق۔

میسوپوٹیمیا کے ساتھ تعلق کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اسے اور وسعت دے کر اس میں تل اسمار میں اکادی تہوں سے (تقریباً ۲۳۰۰ قبل مسیح) پائے گئے سندھ تہذیب کے نئے برتنوں اور میناکاری کے نمونوں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ دیر تک نہ رہنے والی چیزوں خاص کر لکڑی کی تجارت یقیناً ہوتی تھی۔

لیکن آیا مغربی (خلیج فارس) تجارت کی تحریری ثبوت کی بنا پر اور زیادہ مقامی حدود متعین کی جا سکتی ہیں یا نہیں یہ مسئلہ بحث طلب ہے۔

میخی یا پیکانی تحریر (Cuneiform) میں تحریر شدہ سمیری اور اکادی دستاویزوں میں دلمن اور تیلمن نام کے ایک خطے کا ذکر ہے جسے ایک غیر ارضی بہشت تصور کیا جاتا تھا، ایک ایسا مقام" جہاں سے سورج نکلتا ہے" اور اس لیے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سمیر سے مشرق کو تھا یہ خطہ متاعِ مادی کا ایک بڑا منبع بھی تھا چنانچہ دلمن کے جہاز ۲۴۵۰ قبل مسیح کے قریب لاگاش کے اُر۔ نانشے کو عمارتی لکڑی لاتے تھے۔ کوئی ایک صدی بعد سرگون اعظم نے لکھا ہے کہ دلمن ماگان اور میلوہا سے آئے جہاز اس کی نئی راجدھانی آگیڈ کی بندرگاہ میں ٹھہرتے تھے۔

(آگیڈ کہاں آباد تھا اس مقام کی شناخت نہیں ہو سکی ہے اگرچہ ایم۔ ای۔ ایل۔ میلووَن کا خیال ہے کہ یہ شہر بابل کے قرب و نواح میں تھا) دیگر دستاویزوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیسویں صدی قبل مسیح میں جہاز راں، سونا، چاندی، بہت سا تانبہ سنگ لاجورد کے ٹکڑے، پتھر کے منکے، ہاتھی دانت کے کنگھے، گہنے اور میناکاری کے نمونے، کاجل۔ لکڑی اور شاید موتی (مچھلی کی آنکھیں) اُر کو لاتے تھے جو جنوبی میسوپوٹیمیا میں واقع تھا۔ عام طور پر دلمن جزیرہ بحرین کو مانا گیا ہے اگر یہ صحیح ہے تو یقیناً یہ لین دین اور رسد مہیا کرنے کا ایک مرکز ہوگا نہ کہ اس سارے سامان کی پیداوار کی جگہ اسے۔ ایل ردین ہیم کا خیال ہے کہ "میلوہا" وادیٔ سندھ اور اس کی تہذیب کا نام تھا۔ ایس این کریمر، دلمن کو ہی سندھ کا خطہ ماننا بہتر سمجھتا ہے۔ اور بھی کئی قیاس ہیں، لیکن کسی نہ کسی طرح سے ان دستاویزوں سے یہی ظاہر ہوگا کہ

ان میں میسوپوٹیمیا اور سندھ وادی کے درمیان ۲۰۰۰ قبل مسیح سے پیشتر اور بعد منظم تجارت ہونے کا ذکر ہے سندھ کی تہذیب کے ساحل کی لمبائی اور اس کے ارتقا کے بارے میں جو نئی فہم پیدا ہوئی ہے وہ غیر ملکی سمندری تجارت کی ان متفرق شہادتوں کے عین مطابق ہے، لوتھل کی جنوبی بندرگاہ اور اس کی خاص بڑی گودی کا ذکر کیا جاچکا ہے جو کھمبات کی خلیج کے سرے پر واقع تھی، ہوسکتا ہے یہ محض اتفاقیہ امر نہ ہو کہ لوتھل سے سنگ صابون کی عجیب گول مہروں میں سے ایک برآمد ہوئی ہے جن کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے یہ مہریں سندھ تہذیب کی مہروں سے ہلکی سی مشابہت رکھتی ہیں لیکن بظاہر ۱۹۰۰ قبل مسیح کے قریب خلیج فارس کے شمال مغربی نصف حصے (بحرین۔ فیلاکا جنوبی میسوپوٹیمیا) میں عام تھیں اور اسی لیے ان کا نام خاص طور سے خلیج فارس کی مہریں رکھا گیا ہے۔ بحرۂ عرب کے شمالی سرے پر ساحل مکران کی مزید حالیہ کھوج سے معاون ثبوت مہیا ہوئے ہیں۔ ایک نہایت مختلف ماحول میں واقع دو مقامات سے، جن میں سے ایک کا علم حال میں ہی ہوا ہے، لگ بھگ ملتے جلتے اقتصادی حالات کا تصور ملتا ہے۔ یہاں، کراچی سے ۲۰۰، ۳۰۰ میل مغرب کی طرف، ارضیات سے متعلق اور جغرافیائی ثبوتوں سے اس امکان کو تقویت ملتی ہے کہ زمانۂ قدیم میں بیشتر ساحل آجکل کے مقابلے میں زمین کے زیادہ اندر تک گیا ہوا تھا اور متذکرہ دو مقامات جو کہ اب ساحل سے کچھ میل دور واقع ہیں، قدیم زمانے میں جہازرانی کے قابل دریائی دہانوں پر تھے جہاں سے سمندر بہت قریب تھا۔

ان میں پہلا مقام سُتکاگن ڈور ۱۸۷۶ء میں دریافت ہوا لیکن ۱۹۶۰ء میں ہی اس کی نقشے پر ٹھیک طرح سے نشان دہی ہوئی، یہ وادئ دشت کے مشرقی سرے پر اب بحرہ عرب سے کوئی ۳۰ میل دور واقع ہے یہ ایک مضبوط قلعے اور ایک نچلی بستی پر مشتمل ہے۔ اس بستی کی حفاظتی قلعہ بندی نہیں تھی اور اس کی وسعت کا یقینی تعین نہیں ہو سکا ہے۔ قلعہ والا علاقہ مستطیل تھا تقریباً ۵۸۰ فٹ لمبا اور ۳۴۰ فٹ چوڑا۔ وہاں پتھر کی قریب ۲۵ فٹ چوڑی قلعہ بند دیوار تھی جس کی مزید مضبوطی کے لیے اندر کی طرف کچی اینٹوں کا ۸ فٹ چوڑا چبوترہ تھا۔ مستطیل میناروں کے بھی آثار ملے ہیں۔ جنوبی دیوار میں اندر آنے کا ایک تنگ راستہ تھا جو صرف ۶ فٹ چوڑا تھا، متعلقہ تمدن لگ بھگ مکمل طور پر ہڑپہ کا تھا۔

سُتکاگن ڈور سے کوئی ۸۵ میل مشرق میں سب سے پہلے شادی کور وادی کے اوپر پانی سے آٹھ میل شمال کی جانب اسی طرح کے ایک اور مقام کی شناخت کی گئی۔ بظاہر یہاں زمین

پرے ابھری ہوئی چٹانوں سے اونچی ایک قلعہ بند بستی تھی۔ اس کے بارے میں تفصیل کی کی ہے۔ مٹی کے برتن یہاں بھی زیادہ تر ہڑپہ کے سے تھے۔ اس مقام کو ستو کا (سوختہ) کوہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

شاید ان مقامات کے ساتھ ایک تیسرے مقام کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے یہ ہے ستون میانی کے قریب واقع بالاکوٹ، جو کراچی کے ۴۵ میل شمال مغرب میں ہے اور موجودہ ساحل سے ۱۲ میل دور ہے اس کی ابھی کھوج نہیں کی گئی ہے لیکن اس امر کے بارے میں شبہہ کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ ان تین مقامات سے کیا کام لیا جاتا تھا۔ ان سے دو نتائج اخذ ہوتے ہیں۔ سمندری آمد و رفت اور اندرونی علاقوں میں وادیوں کے اوپر تک رسائی۔ یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ ایک لمبی تجارتی شاہراہ پر واقع (خشکی کے راستے آئے مال کو جہازوں پر لادنے اور سمندری راستوں سے آنے والے مال کو اندرون ملک بھیجنے کے) مرکز تھے اس بے رونق خطے میں ان کی موجودگی کی کوئی خالص مقامی توضیح قابل اعتبار نہیں مانی جاسکتی، بلاشبہ اس ساحل سے اور اوپر کی طرف اسی طرح کے مزید مقامات دریافت ہونے باقی ہیں۔

چنانچہ عام طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دجلہ و فرات اور سندھ کی تہذیبوں کے درمیان خاصے بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ یہ بات دہرانی ہوگی کہ اس تجارت سے دونوں خطوں کے درمیان کسی نزدیکی تمدنی یک جہتی کا ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے درمیان تجارت بیشتر ثانوی حیثیت کے مال تک محدود تھی، ان میں سب سے اہم غالباً ہاتھی دانت کا سامان اور عمارتی لکڑی ہی ہوگی جیسا کہ بظاہر دستاویزوں میں درج ہے۔ کیا اس تجارت میں سندھ کی کپاس بھی شامل کی جاسکتی ہے؟ اس بارے میں ثبوت ابھی تک بہت ناکافی ہیں۔

سندھ تہذیب کا عہد

حالیہ برسوں تک سندھ کی تہذیب کے عہد کے تعین کے بارے میں ہماری معلومات مکمل طور پر مغربی ایشیا بالخصوص سمیر اور اکّاد کے ساتھ رابطوں پر مبنی تھیں۔ ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ میسوپوٹیمیا کے موجودہ تعینِ وقت کے مطابق جو تاریخیں اخذ

ہوئی ہیں وہ ۲۲۵۰ قبلِ مسیح سے بھی پیشتر سے لیکر سترھویں یا سولھویں صدی قبل مسیح تک پھیلی ہیں سب سے زیادہ وہ سارگون کے عہد پر مرکوز ہوتی ہیں جو اب ۲۳۷۰ سے ۲۲۸۴ قبلِ مسیح تک جاتا ہے لیکن تاریخوں کے پورے پھیلاؤ کے آغاز اور اختتام کی حدود کا تعین معلوم شدہ رابطوں کی بنا پر غیر یقینی طور پر ہی کیا جاتا تھا۔ اس خیال سے کہ پورے عہد کے پھیلاؤ کو کافی حد تک شامل کرلیا جائے میں نے ۱۹۴۶ء میں اس تہذیب کے لیے لگ بھگ ۲۵۰۰ سے ۱۵۰۰ قبل مسیح کا زمانہ تجویز کیا تھا اس اندازے میں دونوں طرف کی تاریخوں کے بالکل صحیح ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں تھا۔

۱۹۴۹ء میں قدیم حیوانی اورنباتاتی اشیاء کی ان کے ریڈیو کاربن جزو (کاربن ۱۴) کی بنا پر تاریخیں طے کرنے کے طریقے سے قبل از تاریخ اور غیر تاریخی آثار قدیمہ کے تعین وقت کا ایک نیا اسلوب وجود میں آیا۔ اگرچہ اس طریقے میں بھی غلطیاں اور غیر یقینی عناصر موجود ہیں پھر بھی اس سے نئے معیار دستیاب ہوئے ہیں جن کے ذریعے ہم نے بہت بڑے پیمانے پر اور کل ملاکر کافی صحیح طور سے گذشتہ ۴۰ ہزار برسوں میں انسان کے کارناموں کے متعلق اپنے زاویۂ نگاہ کو ٹھیک کیا ہے۔

اب ہمارے پاس تہذیب سندھ کی ریڈیو کاربن یا کاربن ۱۴ سے تعین کردہ ایک درجن سے زیادہ تاریخیں ہیں۔ ان میں صرف کوٹ ڈیجی سے برآمد شدہ اشیاء کی تاریخیں پنسلونیہ میں طے کی گئی ہیں باقی سب کا تعین بمبئی کی ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈامینٹل ریسرچ میں ہوا ہے۔

سب سے پہلے موہن جودڑو کے مشرق میں کوٹ ڈیجی کے مقام پر قبل ہڑپہ کوٹ ڈیجی تمدن۔

۱۔ کوٹ ڈیجی: تہ نمبر ۱۴ سے، جو "کوٹ ڈیجی" تمدن کی سب سے نیچے کی تہ سے تیسری ہے۔ ۲۶۰۵ قبل مسیح ± ۱۴۵ (۵۰۳۰ ± ۴۰ کی "آدھی عمر" کی بنا پر) یا ۲۴۷۱ قبل مسیح ± ۱۴۱ (۵۵۶۸ ± ۳۰ کی "آدھی عمر" کی بنا پر) کوٹ ڈیجی کی سب سے بعد کی تہہ (۴۔ اے) سے، ہڑپہ والی تہہ کے نیچے، ۲۱۰۰ قبل مسیح ± ۱۳۸ (۵۰۳۰ کی آدھی عمر) یا ۱۹۷۵ قبل مسیح ± ۱۳۴ (۵۵۶۸ کی "آدھی عمر")

کوٹ ڈیجی کی تہہ نمبر ۵ کی دو تاریخیں ۲۲۵۰/۲۱۲۳ قبل مسیح اور ۲۲۲۰/۲۲۱۱ قبل
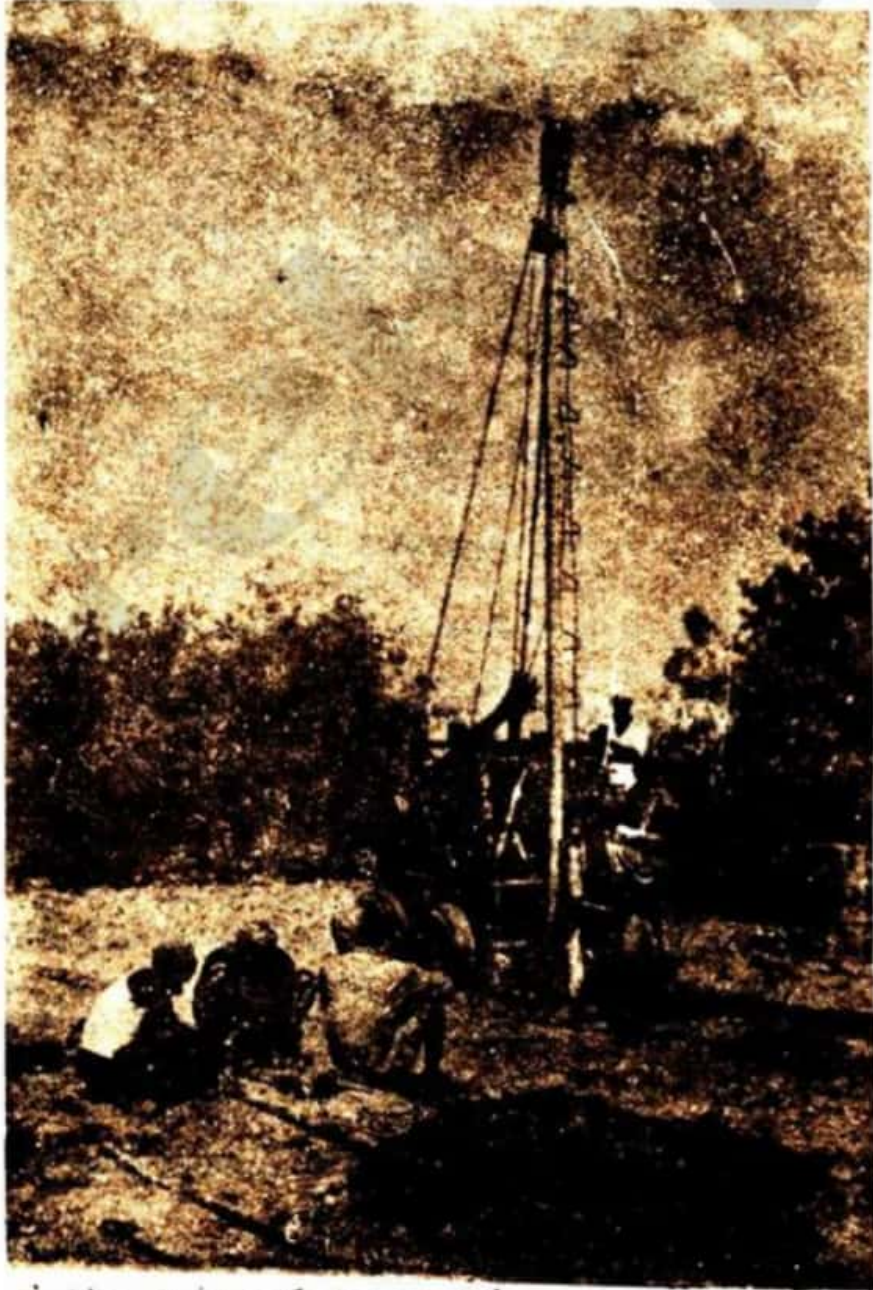
(تصویر ۸۲) ۱۹۶۵ء میں موہن جو داڑو میں بورنگ کرنے سے پتہ چلا ہے کہ موجودہ سطح سیلاب ۳۹ فٹ نیچے تک آبادکاری کے آثار موجود ہیں۔ یہ ایک حیران کن حقیقت ہے کیونکہ نواحی ٹیلا سطح سیلاب سے کوئی ۳۰ فٹ بلند ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آبادکاری کے ملبے کی مجموعی گہرائی ۷۰ فٹ کے قریب ہے۔

مسیح ہیں۔

دوسرے، عام ہڑپہ تمدن کے مقامات سے:

۲ کالی بنگان: ہڑپہ تمدن کی بعد کی (اوپی) تہہ: ۱۹۱۰ قبل مسیح ± ۱۰۵ (۵۷۳۰ کی "آدھی عمر") یا ۱۷۹۰ قبل مسیح ± ۱۰۰ (۵۵۶۸ کی "آدھی عمر")۔ ایک درمیانی تہہ کی، ان کے برابر کی، تاریخیں ہیں: ۱۹۶۰ ± ۱۰۵ یا ۱۸۵۰ ± ۱۰۰ قبل مسیح اور ۱۹۳۰ ± ۱۰۵ یا ۱۸۲۵ ± ۱۰۰ قبل مسیح۔ ایک "زیریں وسطی" تہہ کی اسی طرح کی تاریخیں ہیں، ۲۰۳۰ قبل مسیح ± ۱۰۵ یا ۱۹۱۵ قبل مسیح ± ۱۰۰ اور ۲۰۶۰ ± ۱۰۵ قبل مسیح یا ۱۹۴۵ء ــ ۱۰۰ قبل مسیح۔

۳۔ موہن جوداڑو: جل کر کوئلہ کی طرح ہو چکے اناج کے دانے جو بہت عرصہ ہوا پائے گئے تھے اور جنھیں مبینہ طور پر ایک دیرینہ تہہ سے برآمد کیا گیا تھا۔ ۱۷۶۰ قبل مسیح ± ۱۱۵ (۵۷۳۰ کی "آدھی عمر") یا ۱۶۵۰ قبل مسیح ± ۱۱۰ (۵۵۶۸ کی "آدھی عمر")

۴۔ لوتھل: ہڑپہ والے دور (لوتھل "اے" ایک سے چار، "زیریں ہڑپہ" ("لوتھل بی") دور پانچ۔ تاریخیں مندرجہ ذیل ہیں۔

لوتھل اے، دور تین بی (تین نمونے) = ۲۰۰۰ ــ ۲۰۱۰ قبل مسیح ± ۱۱۵ (۵۷۳۰ کی "آدھی عمر") یا ۱۸۸۰ - ۱۸۹۵ قبل مسیح ± ۱۲۰ (۵۵۶۸ کی "آدھی عمر") دور چار اے ۱۸۹۵ قبل مسیح ± ۱۱۵ (۵۷۳۰ کی "آدھی عمر") یا ۱۷۹۰ قبل مسیح + ۱۱۵ (۵۵۶۸ کی "آدھی عمر")

لوتھل بی: دور پانچ اے: ۱۸۰۰ قبل مسیح ± ۱۴۰ (۵۷۳۰ کی "آدھی عمر") یا ۱۷۰۰ قبل مسیح ± ۱۳۵ (۵۵۶۸ کی "آدھی عمر") ایک اور نمونے سے بتدریج ۱۸۶۵ قبل مسیح یا ۱۷۵۵ قبل مسیح ± ۱۱۰ تاریخیں ہیں۔

ان ریڈیو کاربن تاریخوں کی اہمیت کا اندازہ لگاتے وقت غلطی کے کچھ ذرائع کو یاد رکھنا چاہیے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جن نمونوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے وہ اگر تہوں کی ترتیب کے حساب سے صحیح بھی ہوں تو بھی مختلف موقعوں پر ان میں ملاوٹ ہو سکتی ہے اس کی وجہ سے ان کی تاریخوں کے تعین میں کافی حد تک غلطی ہونے کا امکان ہے۔ تجزیے کا موجودہ سلسلہ اس امکان کو دور کرنے کے لیے بہت ناکافی ہے، کافی غور و فکر کے بعد منتخب کردہ کم از کم پچاس
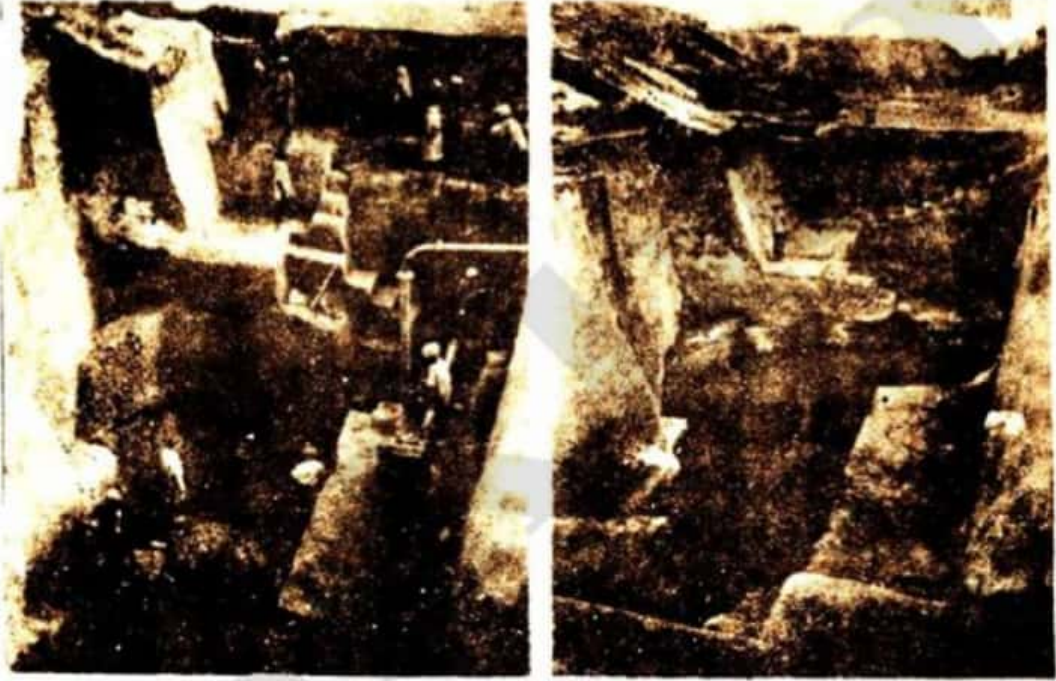
(تصویر ۸۳-۸۴) پانی کی سطح اونچی ہونے سے پیش آنے والی مشکلات کی وجہ سے موہن جو داڑو کی سب سے زیریں تہوں تک کھدائی کبھی ہو ہی نہیں پائی ہے۔ ان دو تصاویر میں دکھایا گیا ہے کہ کیسے ۱۹۵۰ء میں پمپوں کی مدد سے پانی نکال کر نچلی تہوں تک پہونچنے کی کوشش کی گئی اور رات ہی رات میں پانی پھر بھر گیا۔

مزید تجزیوں کی ضرورت ہے۔ دوسرے، جو بھی تاریخیں ملی ہیں ان میں ۲۰۰ سے ۲۸۲ برس تک کی کمی بیشی ہونے کا امکان ہے ایسی حالت میں جبکہ کل متعلقہ عہد کچھ صدیوں تک ہی محدود ہو، اتنی کمی بیشی کا امکان کافی حوصلہ شکن ہے۔ بہت بار جلد بازی میں وسطی تاریخ کو ہی اہم مان لیا جاتا ہے اور متبادل تاریخوں کے اتنے وسیع امکانات پر کافی دھیان نہیں دیا جاتا۔ تیسرے، ضرورت سے زیادہ آسانی کے ساتھ یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ "پہلے' والے نمونے ایک تمدن کے آغاز اور "بعد" والے نمونے اختتام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہ اتفاق کافی حد تک غیر اغلب ہے کہ ایک سلسلہ عین یا لگ بھگ آغاز میں اور دوسرا اختتام پر ہی وجود میں آیا ہو۔ عام طور سے (غلطی کے متذکرہ بالا امکانات کو دھیان میں رکھتے ہوئے) یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وہ تمدن پہلے والی تاریخ کے وقت موجود تھا اور بعد کی تاریخ

کے بعد زندہ رہا۔ چوتھے، اگر سندھ کی تہذیب سے متعلق کسی ایک مقام کے بارے میں ابتدا اور اختتام کی صحیح تاریخیں اخذ ہو بھی جائیں تو وہ کافی مزید ثبوتوں کے بغیر اسی تہذیب کے دوسرے مقامات سے وابستہ نہیں کی جاسکتیں۔ مثال کے طور پر اگر ہمیں ہڑپہ کے آغاز اور اختتام کی تاریخیں معلوم ہوں تو انھیں ہم آنکھیں بند کر کے موہن جو داڑو کی تاریخیں نہیں مان لیں گے۔ اس سے بھی کم جواز لوتھل یا کالی بنگن سے متعلقہ تاریخوں کو ان دونوں بڑے شہروں والے مقامات سے جوڑنے کا ہوگا۔ لہٰذا کئی وجوہ سے غلطیوں یا اختلافات کا امکان بے انتہا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ تسلیم کر سکتے ہیں کہ بعد والے قبل از تاریخ تمدنوں یا آغاز تاریخ کے ابتدائی تمدنوں کے معاملے میں ریڈیو کاربن کا تجزیہ ایک قابلِ شکر مجوبہ ہونے پر بھی ایک کُند اوزار کی طرح ہے

اس سے کہیں زیادہ صحیح اندازہ آثارِ قدیمہ کے ان ثبوتوں سے ملتا ہے جن کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس وقت ایسی بہت کم مثالیں موجود ہیں۔ آثارِ قدیمہ اور قدیم کندہ نوشتوں دونوں سے مہیا شدہ ثبوتوں کے مطابق یہ معلوم ہوچکا ہے کہ آگیڈ کے سرگون اعظم اور اس کے جانشینوں کے عہد میں جنوبی میسوپوٹیمیا اور تہذیب سندھ کے درمیان رابطہ سب سے زیادہ زوروں پر تھا۔ اور تھوڑے سے برسوں کی کمی بیشی کے ساتھ سرگون کی تاریخ اب پختہ طور پر طے ہوچکی ہے، غالباً ۲۳۷۰ - ۲۳۴۶ قبل مسیح۔ اندازہ اتنا قریب ہے۔ یا اگر سارے عہدِ سرگون کو لیا جائے تو یوں کہیے۔ ۲۳۷۰ - ۲۲۸۴ قبل مسیح۔ اس کے بعد میسوپوٹیمیائی تجارت کا ایک دوسرا دور بادشاہ اُرنا کے ساتھ لگ بھگ ۲۱۰۰ قبل مسیح میں شروع ہوا، اور لگ بھگ ۱۹۰۰ قبل مسیح میں عہدِ لارسا تک جاری رہا، یہاں دو سو اور تین سو برس کی کمی بیشی کی غلطی کا کوئی سوال نہیں ہے، یہ سب اس حد تک صحیح ہے کہ اسی طریقے سے وقت آنے پر سندھ تہذیب کے علاقے اور میسوپوٹیمیا سے نئے ٹھوس ثبوت سامنے آئے اور کچھ پرانے ثبوتوں کا نیا مطالعہ ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جن سے ہماری تہذیب سندھ کے وقت کا اور بھی زیادہ حقیقی تعین ہو سکے گا۔ اس بیچ اس بات کے یقینی ثبوت دستیاب ہو چکے ہیں کہ خاندانِ سرگون کے عہد تک تہذیب سندھ پختگی کو پہونچ گئی تھی۔ چند مثالیں یہ ہیں، اُر۔ کِش اور تل اسمار کے عہد سرگون سے وابستہ مقامات پر سندھ کی مہروں کا پایا جانا، تل اسمار

کی ویسی ہی تہوں میں سے کندہ نمونوں والے منکوں کا ملنا جیسے کہ ہڑپہ کے لوگ استعمال کرتے تھے، موہن جو داڑو میں اور ابتدائی خاندان تین۔ سرگونی دور کی تاریخوں میں میسوپوٹیمیا میں، اور ۲۳۰۰ قبل مسیح کے قریب ٹرائے۔ دو۔جی ہیں سونے کے محوری نلی والے چپٹے گول منکوں کا ہونا اور تل اسمار کی سرگونی تہوں میں تہذیب سندھ کے مخصوص نمونوں کی ہڈیوں کے ساتھ کی گئی میناکاری اور مٹھیا والے برتنوں کی موجودگی۔

اتنا ہی نہیں، ۱۹۶۵ء میں جی۔ایف۔ڈیلزنے موہن جو داڑو میں ایچ۔آر۔ٹیلے کے دامن کے پاس موجودہ سیلابی سطح کے نیچے جو گہرے چھید کیے ان سے ایک حیرت ناک نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب سے قدیم آبادکاری موجود سطح سے ۳۹ فٹ نیچے شروع ہوئی۔ اگر اس گہرائی کے ساتھ قریبی ٹیلے کی تقریباً ۳۰ فٹ اونچائی کو جوڑ لیا جائے تو کل ۷۰ فٹ بنتے ہیں۔ زیریں تہیں ۲۵ فٹ پانی میں ڈوبی ہیں چونکہ ابھی تک کسی ماہر نے اس سطح آب کے نیچے تک رسائی حاصل نہیں ہے اس لیے یقیناً ۲۲۰۰ میل قبل مسیح کے قریب میسوپوٹیمیا کے ساتھ رابطے قائم کرنے والے لوگ مقابلتاً اوپری والی تہوں کی آبادیوں کے باسی ہوں گے۔

اس کے ساتھ ہی ابھی یہ ثابت کرنا باقی ہے کہ سب سے نچلی تہیں ہڑپہ تمدن کی ہیں اور اس سے بھی پہلے کے کسی تمدن کی نہیں۔

یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ میسوپوٹیمیا کی تاریخوں کے نئے تعین کے مطابق میں نے ۱۹۱۶ء میں یہ اندازہ پیش کیا تھا کہ سندھ کی تہذیب زیادہ سے زیادہ ۲۵۰۰ قبل مسیح وجود میں آئی ہوگی اور ۱۵۰۰ قبل مسیح تک اختتام پر پہونچی ہوگی۔ آغاز اور اختتام کی تاریخوں کے بالکل ہی صحیح ہونے پر زور نہیں دیا گیا تھا۔ حال ہی میں زیادہ تر لوتھل اور کالی بنگن کے اہم مگر مقابلتاً چھوٹے مقامات سے تعین کردہ نئی ریڈیو کاربن تاریخوں کی بنا پر یہ تجویز کیا گیا ہے کہ حدود کو گھٹا کر لگ بھگ ۲۳۰۰۔۱۷۵۰ قبل مسیح کر دیا جائے۔ ہوسکتا ہے تاریخوں کی یہ گھٹائی گئی حدود متذکرہ دو مقامات کے بارے میں قریب قریب صحیح ہوں لیکن موہن جو داڑو میں گہرے چھید کرنے سے جو جدید تر ثبوت سامنے آئے ہیں انہیں دیکھتے ہوئے ان تاریخوں کو اس عظیم مرکزی شہر سے وابستہ کرنا مشکل ہے۔ مانا کہ موہن جو داڑو میں لمبے وسیع پیمانے پر جو جماؤ ہوا ہے اس کی نوعیت کے متعلق اس وقت تک یقیناً بہت کم
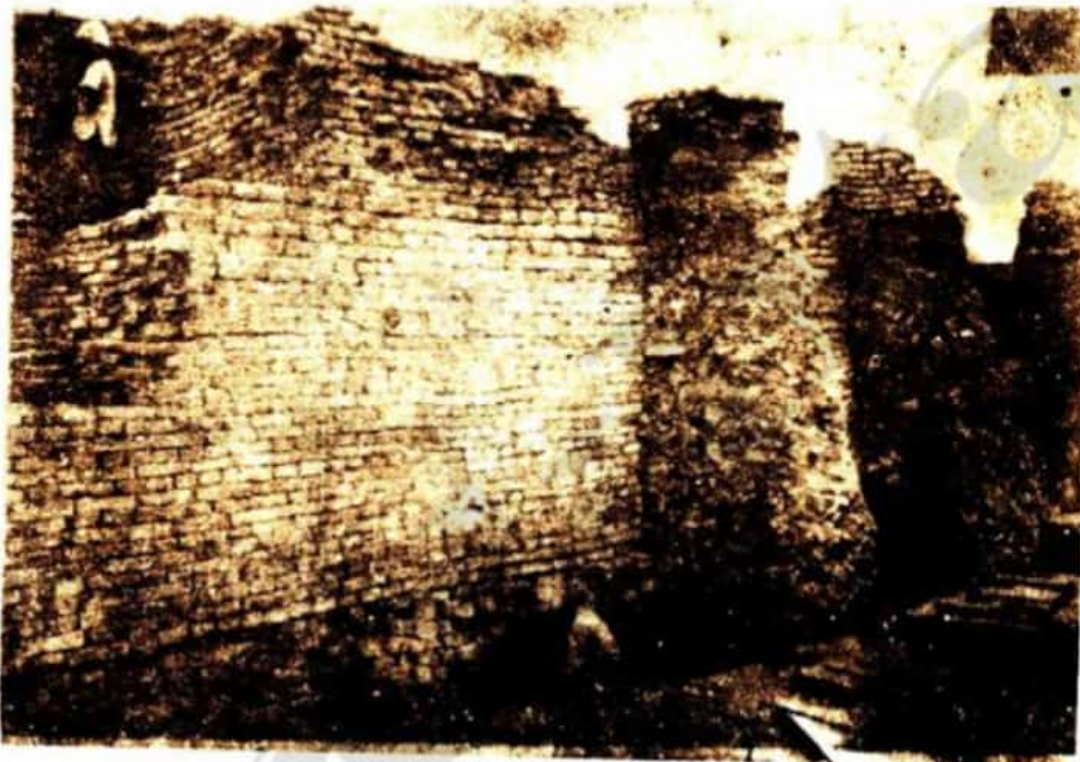
(تصویر ۸۵) جیسے جیسے مکانات مسمار ہوتے گئے ان کے کھنڈرات کے رو برو بھدے اور سستے قسم کے نئے مکانات بنتے رہے۔ اس فوٹو گراف میں موہن جو داڑو کے اناج کے گودام کا سب سے اوپر کا حصہ دکھایا گیا ہے۔ نئی دیواریں جو اوپر کو بنائی گئی تھیں صاف دکھائی دیتی ہیں درمیان میں جو آدمی نظر آتا ہے اس کے دائیں طرف کھدائی سے نکلے ملبے کا ستون ان دیواروں کو اٹھائے ہوئے ہے۔

معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ اس بیچ سندھ کی تہذیب کے آغاز کی تاریخ کا سارا مسئلہ حل کا طالب رہے گا۔

اختتام کے متعلق کیا صورتِ حال ہے؟

تہذیبِ سندھ کا اختتام

اتنی زیادہ وسعت میں پھیلی ہوئی کسی تہذیب کے اختتام کے متعلق کسی ایک تاریخ کا قیاس پیش کرنا ضروری نہیں ہے۔ وسطی ہند کے نیم کوہستانی علاقوں میں جو حالات اس تہذیب پر اثر انداز ہوئے ہو سکتا ہے اسے صحرائے ہند کے جنوب یا مشرق میں اور کچھ

(تصویر ۸۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب موہن جو داڑو کی متوازی سڑکوں اور گلیوں کی صاف ستھری ترتیب (دیکھیے تصویر ۱۴۳) کا شیرازہ بکھرنے لگا تو اس کے ساتھ ہی شہریت کا احساسِ فخر بھی ختم ہو گیا۔ بعد کی (زیادہ اونچائی پر بنی) عمارات بیشتر کھولیاں ہیں جو خرگوشوں کے بلوں کی طرح بے ترتیبی سے جڑی ہوئی ہیں اور کمتر درجے کی آبادی کے بسنے کے لیے ہیں

کے رن کے زیرِ آب ساحلی علاقوں میں ان سے بہت مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا ہو بموجودہ ثبوتوں سے ظاہر ہوتا ہے صورتِ حال واقعی ایسی ہی تھی۔

لیکن تفصیل میں جانے سے پہلے یہ اچھا رہے گا کہ ایک لمحے کے لیے مسئلے کی عام نوعیت پر غور کر لیا جائے۔ یہ بات صاف ہے کہ تاریخی تہذیبوں کے زوال اور اختتام کے لیے ذمہ دار عناصر ایک واحد غیر پیچیدہ نوعیت کے کبھی نہیں ہوئے یا شاذ ہی کبھی ہوئے ہوں گے مصنف جو بعض اوقات مخصوص سیاسی یا سائنسی عقائد کے حامی ہوتے ہیں، مسئلے کو اتنا سہل بنا دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ حدِ امکان سے دور ہو جاتا ہے۔ مقابلتاً جدید حلقۂ فکر کے مصنفوں نے مہلک جنگوں کی تباہ کاریوں کو سرمایہ داری یا یہاں تک کہ کسی مخصوص نسل کے سرمایہ داروں

سے وابستہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک بہت اعلیٰ شہرت کے حامل مورخ نے جنگ کو بذاتاً اور کلیتاً قومی یا تمدنی زوال کا ذریعہ ٹھہرانا پسند کیا ہے۔

دیگر نظریہ سازوں نے آب و ہوا یا ملیریا کے مچھر کو عمومی اسباب میں شمار کیا ہے کچھ اور نظریہ ساز نسلی تنزل کو جسکی توضیح مختلف طور پر کی گئی ہے یا جسے فیاضانہ طور پر مبہم رہنے دیا گیا ہے۔ موردِ الزام ٹھہراتے ہیں۔ حال میں شدید ارضی تبدیلیوں کو تہذیب سندھ کے اختتام کے لیے ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ ایک خاص مفہوم میں جس کی بعض دوسرے مصنفوں نے ضرورت سے زیادہ وضاحت یا مذمت کی ہے۔ میں نے ایک بار غیر سنجیدگی سے اِندر اور اس کے آریوں کو اس تہذیب کی تباہی کا مجرم گردانا تھا فہرست کو مزید طول دینا ضروری نہیں اگر کسی ایک مثال کو لیا جائے تو ان میں سے یا ان کے علاوہ کوئی بھی ایک وجہ اپنے آپ میں غلط ہو سکتی ہے۔ کسی تہذیب کے عروج کی طرح اُس کے زوال کا عمل بھی بہت ہی پیچیدہ ہے۔ اسے ایک دم سہل بنا کر پیش کرنے سے ساری تصویر ٹیڑھی میڑھی یا غیر حقیقی ہو سکتی ہے۔ اسے ایک مسلمہ امر سمجھا جا سکتا ہے کہ تمدنی زوال کا کوئی ایک سبب نہیں ہے۔

پھر تہذیبِ سندھ کی طرف آئیے، قدرتی طور پر تحقیق کا مرکز موہن جو داڑو کا عظیم شہر رہا ہے یہ ٹھیک ہے کہ اس کی زیریں تر تہوں کی، جن کے بہت گہرائی تک جانے کا علم اب ہو چکا ہے، ابھی تک کھوج نہیں ہو پائی ہے پھر بھی کافی ہے اگرچہ ادھوری معلومات روشنی میں آ چکی ہیں جو تحقیق کی کچھ خاص سمتوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ قابلِ توجہ دریائی بلکہ سمندری مواد کا گہرا جماؤ ہے جو کم از کم تین (اور شاید مزید) مواقع پر پایا گیا ہے۔ لفظ "سمندری" یہاں عارضی طور پر استعمال کیا گیا ہے اس کی شمولیت کا جواز سمندر یا جزوی طور پر نمکین پانی میں پائے جانے والے سیپیوں اور گھونگھوں کی موجودگی ہے جس کا حال ہی میں مشاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ مواد آمری میں (دیکھیے اوپر) قبل از ہڑپہ اور غیر ہڑپہ تہوں میں پالیا گیا۔ ہے اور اس کے بعد مختلف سطحوں پر عموماً گھٹتی ہوئی مقداروں میں اس مقام کی ہڑپہ تمدن والی بستی میں لگاتار موجود رہے، اگرچہ یہاں گہرے پانی والے مواد کے جماؤ کا کوئی نشان نہیں ہے۔ آیا سمندر سے سو میل مزید اندر کی طرف واقع موہن جو داڑو میں بھی جدید طریقوں سے اسی طرح کے ثبوت مل سکیں گے یہ ابھی دیکھنا ہے۔

اس نئی شہادت کی پیش بینی کرتے ہوئے بحریات کے ایک تجربہ کار ماہر آر۔ ایل۔ م

(تصویر ۸۸) جب موہن جو داڑو کی قدیم تر بنیادوں کے کھنڈرات پر بعد میں نئی عمارات بنا دی گئیں تو کنوئیں وغیرہ نیچے کے طبقات تک کھود دیے گئے۔ اس سے ایسی عجیب صورتحال پیدا ہو گئی جو اس تصویر سے ظاہر ہے۔ لمبی چمنی جیسی دکھائی دینے والی تعمیر دراصل ایک کنواں ہے اور یہ بعد کے زمانے کی عمارت کا ایک حصہ ہے۔ اس کا بالائی کنگورا اس سنگی سے تھوڑا ہی اوپر کو نکلا ہوا تھا جس میں اسے کھودا گیا تھا (دیکھیے تصویر ۹۱) اس کے ساتھ ساتھ نیچے کو کھدائی کرنے سے ان قدیم تر عمارات کا پتہ چلا جن کے بیچ سے اسے اتارا گیا تھا اور اس کھدائی سے کنوئیں کا ڈھانچہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔
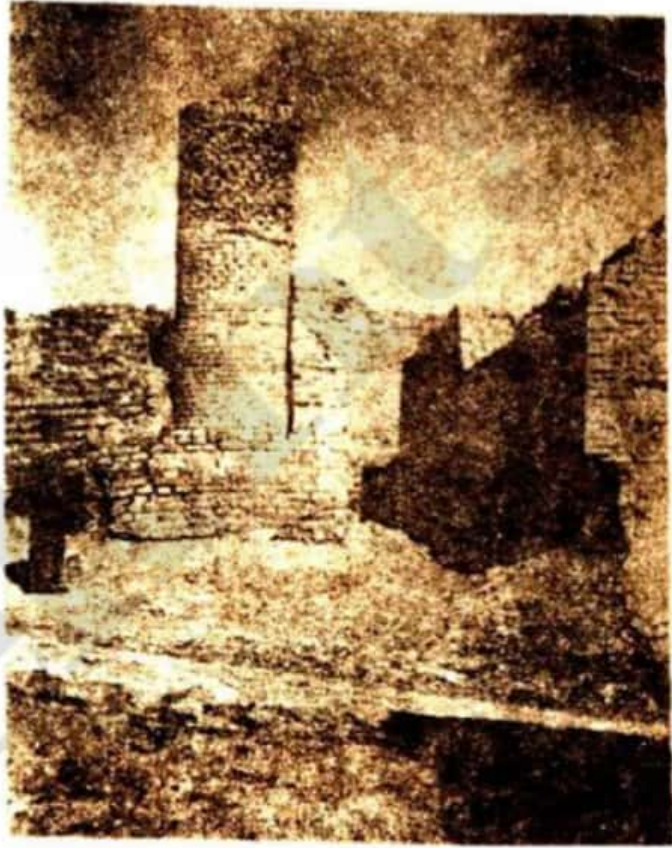
راٹیکس نے سندھ کے خطے میں بہت کام کرنے کے بعد حال میں بتایا ہے کہ بحرۂ عرب کے شمالی پہلو کے ساتھ ساتھ ساحل سمندر کے نمایاں طور پر اونچا اٹھنے کے اہم آثار جمع ہو رہے ہیں اور یہ آثار ہڑپہ عہد سے پہلے کے نہیں ہیں۔ بالخصوص ۱۹۶۰ء میں جی۔ این۔ ڈیلز نے مکران کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو اہم کھوج کی اس میں موجودہ ساحل سے اندر کی طرف قدیم اور ترک شدہ۔ تیلے ساحلی ٹکڑوں کی شناخت کی گئی ہے۔ اس کھوج سے اس سے اہم ایک بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ ہڑپہ تمدن کے مقامات سکاگن ڈور (جس کا ڈیلز نے دوبارہ سروے کیا ہے) اور سوتکا کوہ (جس کی دریافت انھوں نے پاسنی کے قریب کی) اور ان کے ساتھ بالاکوٹ (جو راٹیکس نے کراچی سے ۵۴ میل شمال مغرب میں سون میانی کے دریافت کیا) ایسے ساحلی مرکزوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے جو ایک منظم سمندری تجارت سے وابستہ تھے۔ اس وقت سمندر سے سُتکاگن ڈور ۳۵ میل سوتکا کوہ ۸ میل اور بالاکوٹ ۱۲ میل دُور ہے۔ جیسا کہ ڈیلز لکھتا ہے۔

(تصویر ۸۸ - ۸۹) موہن جو داڑو کے سب سے اوپر والے طبقات میں کھدائی کرنے سے اچانک اور تشددانہ موت کی بہت سی مثالیں ملیں سیدھے لیے ہوئے (بائیں جانب) فوٹوگراف سے یہ بات عیاں ہے۔ یہ فوٹوگراف "ایچ آر علاقے" کے ایک کمرے میں بازو اور ٹانگیں پھیلائے ہوئے پنجروں کا ہے۔ ٹیڑھے زاویے سے لیے گئے دائیں طرف والے انہی پنجروں کے فوٹوگراف سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کس اونچی تہہ میں ملے ہیں۔ قتل و غارت گری کے شکار پنجروں کے ان مجموعوں کے متعلق کھدائی کی بہت سی ابتدائی رپورٹوں کی تفاصیل ابہام میں ڈالنے والی تھیں۔ اس لیے تصویر ۸۹ پنجروں کو اس مقام کی سب سے بعد کی تہوں کے تناسب سے دکھا کر بہت اہم شہادت پیش کرتی ہے۔

" تین قدرتی عناصر نے مل کر کام کیا ہے .... ساحل کے اونچا اٹھنے کا عمل جو اب بھی جاری ہے۔ دونوں مقامات سے خصوصاً وابستہ) دشت اور شادی کور دریاؤں کے دہانوں پر مٹی کا تیزی سے جماؤ اور سمندری لہروں سے آنے والی ریت کے ذریعے رتیلے ساحلی ٹکڑوں کا برابر بنتے رہنا " وہ مزید لکھتا ہے" اگر ساحل کو تھوڑا سا نیچے دبا دیا جائے اور تین چار ہزار سال کے مٹی کے جماؤ کو ہٹا دیا جائے تو بحرہ عرب شُتکاگن ڈور تک پہونچ جائے گا جو سمندر سے ۳۵ میل شمال کو ہے۔ یہی بات سوتکا کوہ پر نمایاں ہوتی ہے۔

رائیکس کا کہنا ہے" یہ غیر اغلب ہے کہ ساحل کے اونچا اٹھنے کا یہ عمل، بلحاظ ساحل مکران کے ..۲ میل کے حصے پر اثر انداز ہوا، صرف اسی علاقے تک محدود رہا ہوگا" اس مسئلے پر ابھی کافی غور نہیں کیا گیا ہے کہ کیا اس عمل کا کوئی تعلق اُن مسدقہ سیلابوں سے تھا جنہوں نے قبل مسیح تیسرے ہزارسالہ قرن میں یا اس کے لگ بھگ جنوبی میسوپوٹیمیا میں مٹی کے گہرے جماؤ چھوڑے تھے۔ یہ فرض کرنا زیادہ آسان ہے کہ یہ عمل کم و بیش حد تک ہمسایہ وادیٔ سندھ میں زیریں دریائے سندھ تک پھیلا ہوگا ایسے آثار ملے ہیں کہ موہن جو داڑو اور
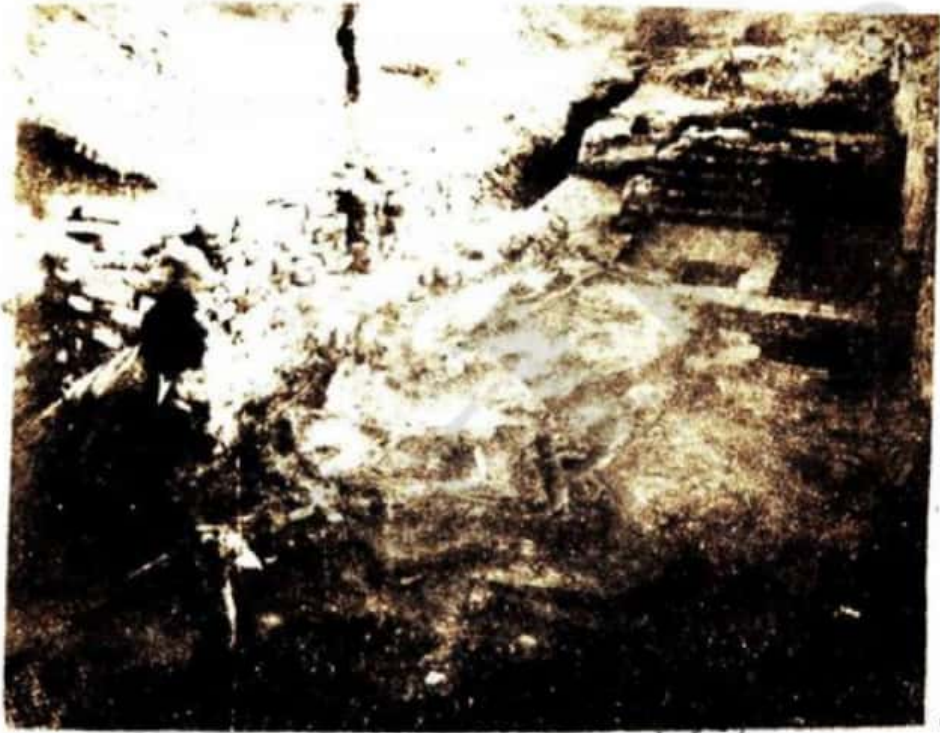
چاہنوداڑو دونوں مقامات وقتاً فوقتاً اور غیر معمولی طور پر زیر آب ہوتے رہے تھے' متذکرہ عمل اس کی ایک معقول وجہ ہو سکتی ہے کوئی متبادل وجہ آسانی سے دکھائی نہیں پڑتی۔

موہن جوداڑو میں حال میں جو گہرے سوراخ کیے گئے ہیں ان کے نتائج کا تجزیہ ہونے کے بعد شاید یہ معلوم ہوگا کہ آبادکاری کی جس گہرائی کی نشان دہی ہوتی ہے اس کا پھیلاؤ متذکرہ بالا عمل سے گہرے پانی کے اندر مزید جماؤ ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہوا ہے اور یہ ظاہر ہوگا کہ مجموعی گہرائی شہر کی عملی زندگی کی میعاد کا اپنے آپ میں مناسب پیمانہ نہیں ہے لیکن مزید بہت سا کام ہونے پر ہی یہ پتہ چل سکے گا کہ یہ مسلسل پھیلاؤ ایک سائنسی قیاس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

موہن جوداڑو (اور چاہنوداڑو) میں وقتاً فوقتاً سیلاب آنے کی وجہ خواہ کچھ بھی ہو مگر ان سیلابوں سے زمین اور عمارتوں کی حالت برابر خستہ ہوتی گئی اس عمل سے یقیناً یہ سیلاب وہاں کے باشندوں کے حوصلے پست کرنے میں معاون ہوئے۔ ان باشندوں کے بلدیاتی معیاروں میں لگاتار گراوٹ کا آنا بہت عرصے سے تسلیم کیا جا چکا ہے

(تصویر ۹۰-۹۱) بائیں طرف والے دو پنجر موہن جو دارو کے "ڈی کے" علاقے میں ایک گلی میں پائے گئے جہاں وہ مارے گئے ہوں گے دوسری طرف کا فوٹو گراف پانچ پنجروں کا ایک مجموعہ دکھاتا ہے جو حال میں (۱۹۶۴ء) ڈاکٹر جارج۔ ایف۔ ڈیلزنے "ایچ آر" علاقے میں کھدائی سے برآمد کیا۔ یہ ایک گلی کے ٹیڑھے موڑ پر پائے گئے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ وہاں حملہ آوروں سے بچنے کے لیے پناہ لیے ہوئے تھے۔ اس گلی کی اینٹ کی دیواریں لوٹ ملبے کے ڈھیر بستی کے سب سے آخری دور کے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ اس گراوٹ میں بھی سیلابوں کی تباہ کاری کا ہاتھ ہو۔ موہن جو داڑو کے انجام کے بارے میں ایک بات بالکل عیاں ہے۔ اپنے خاتمے سے پیشتر یہ شہر دھیرے دھیرے مرتا رہا تھا۔ سیلابوں کی زد سے بچنے کے لیے عمارتوں کو اونچا اٹھانے کی کوشش کی گئی اس مقصد کے لیے پرانے مسمار شدہ مکانوں یا مصنوعی چبوتروں پر نئے مکان تعمیر ہوتے رہے' لیکن اس طرح سے ایک کے اوپر دوسری جو عمارتیں بنیں وہ پہلے کے مقابلے میں ہمیشہ گھٹیا سامان کی ہوتی ہیں اور جو نئی بستیاں وجود میں آتی رہیں وہ بے ترتیب اور گھنی تھیں اور ان میں رہنے والی آبادی زیادہ نچلے طبقے کی تھی۔ قلعے کے مغربی سرے پر وسیع غلہ گودام کی اونچی عمارت جو ۳۰ فٹ یا اس سے بھی زیادہ بلندی تک گھٹیا قسم کی تعمیروں کے سلسلے سے دب گئی۔ ہر جگہ اقتصادی زوال کے نمایاں آثار ہیں، اس غیر تشفی بخش مفروضے کے علاوہ کہ یہاں کی آبادی جدّی یا نسلی تنزل کا شکار ہو رہی تھی کچھ عملی اور فوری وجوہ بھی اخذ کی جا سکتی ہیں۔ اہم نباتات کی کھپت برابر جاری رہی۔ یہ حقیقت اس بات سے ظاہر ہوتی

ہے کہ ایک کے بعد دوسرے عہد میں گم دڑوں اینٹیں پکائی جاتی تھیں بھلے ہی یہ کام کچھ حد تک پہاڑوں سے آئی ہوئی لکڑی سے کیا جاتا ہو پھر بھی یہ بھاری کھپت زمین کو پیڑ پودوں سے خالی کرنے کا ایک بڑی وجہ بن گئی ہوگی آب و ہوا پہ اس سے کوئی زبردست تبدیلی تو نہیں ہوئی ہوگی لیکن اس پر مضر اثر ضرور پڑا ہوگا۔

چراگاہوں کا مناسب حد سے زیادہ استحصال ایک مزید وجہ ہوگی غیر معمولی اور نباتاتی پیداوار کو ضرر پہونچانے والے سیلابوں کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان کی وجہ سے آب پاشی کے عام وسیلے بھی تباہ ہو گئے ہوں گے۔ زمین میں نمک کا جزو ویسے بھی بہت زیادہ ہے ایسی زمین کی اگر تھوڑی مدت کے لیے بھی اچھی طرح دیکھ بھال نہ کی جائے تو اس کی قوت نمو بہت کم ہو جاتی ہے۔ میں نے یہ قیاس پیش کیا ہے کہ موہن جو داڑو اپنے گرد و پیش کے علاقے کو دھیرے دھیرے ویران کرتا جا رہا تھا یا بصورت دیگر موہن جو داڑو کو اس کے گرد و پیش کا علاقہ ویران کیے جا رہا تھا۔ جہاں تک تجارت کا تعلق ہے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بالخصوص میسوپوٹیمیا کے ساتھ قبل مسیح دوسرے ہزار سالہ قرن میں،

تجارت کچھ نامعلوم وجوہ سے زیادہ پیچیدہ ہوگئی تھی اور اس کی براہِ راست نوعیت کم ہوگئی بلاشبہ زیادہ براہِ راست رابطے کے پرانے دنوں کے مقابلے میں یہ تجارت کم منافع بخش بھی ہوگئی ہوگی۔ ایک یا دوسرے طریقے سے موہن جو داڑو تنزل کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے بعد کے دوروں سے اس بات کا قوی گمان ہوتا ہے کہ سندھ کے محور کے دوسرے زیادہ چھوٹے مقامات کا بھی، کم از کم اقتصادی نقطۂ نظر سے، ویسا ہی حشر ہوا ہوگا۔

مرتی ہوئی اس تہذیب پر آخری وار کون سا ہوا؟ برسوں پہلے میں نے یہ قیاس پیش کیا تھا کہ برصغیر کے شمال مغرب پر یلغار کرنے والے آریہ لوگ اس تہذیب کی آخری تباہی کا باعث تھے۔ یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا اور بالکل غلط بھی ہو سکتا ہے لیکن ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے۔ کم از کم اس بات کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ سیلاب ہی آخری تباہی لانے والے تھے، حالانکہ یہ مفروضہ اب عام ہے۔ ایسے کوئی آثار نہیں ہیں کہ موہن جو داڑو یا ہڑپہ کے بغیر چوٹی کے مینار کسی آخری تباہ کن سیلاب سے زیر آب ہو گئے تھے۔ دوسری طرف، اس امکان کی جانب اکثر دھیان گیا ہے کہ ہڑپہ کے موجودہ نام میں "ہری۔ یُپیہ" کو پہچانا جا سکتا ہے جس کا ذکر رگ وید میں آیا ہے۔ اس وید کی رچاؤں میں آریوں کے حملے کی جھلک ملتی ہے اور اس میں ہری یُپیہ کو حملہ آوروں کے ہاتھوں غیر آریہ باشندوں کی ایک شکست کا مقام بتایا گیا ہے۔

عام طور سے رگ وید میں جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ اس صورتِ حال کے مطابق معلوم ہوتی جو اس تہذیب کے اختتام کے وقت رہی ہوگی۔ ویدک منتروں میں پانچ (قدیم زمانے کے سات) دریاؤں کی سرزمین پنجاب اور گرد و نواح پر آریوں کے جو حملے بیان کیے گئے ہیں، اُن کا ڈھنگ برابر قدیم باشندوں کے فصیل والے شہروں پر ہلہ بول دینے کا ہے۔ ان شہروں کے لیے لفظ "پور" (فصیل، قلعہ، مضبوط دفاعی ٹھکانہ)۔ بصورت دیگر لفظ "آما" (کچا، بنا پکا یا ہوا) سے شاید کچی اینٹوں کے استعمال کی طرف اشارہ ہے۔ آریہ بھگت 'دیوداس کے لیے ۹۰ قلعوں" کو توڑتا ہے۔ المختصر، وہ "قلعوں کے ایسے ہی پرخچے اڑا دیتا ہے جیسے وقت کسی کپڑے کے چیتھڑے کر دیتا ہے"

یہ قلعے کہاں ہیں۔ یا تھے؟ ہڑپہ اور موہن جو داڑو میں اور ہڑپہ تمدن کے مختلف مقامات یعنی مکران میں شتگاگن ڈور، سندھ میں علی مراد اور اب راجستھان میں کالی بنگن میں

(تصویر ۹۳) ہڑپہ کے قبرستان 'ایچ' سے ملنے والا دفنانے کا برتن (اس تصویر میں اس کے چیر کر دو حصے کیے گئے دکھائی دیتے ہیں) وہاں دفنائے گئے لوگ اصلی ہڑپہ کھنڈرات سے بعد کے کسی تمدن سے تعلق رکھتے تھے یہ قبرستان ان کھنڈرات کے اوپر بنایا گیا تھا۔

قلعے والے ٹیلے دریافت ہونے سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ اندر کے دشمنوں کے گڑھ تھے۔ بہرحال کم از کم اب تک اور ایسے قلعوں کا پتہ نہیں چلا ہے جن کے بارے میں ایسا کہا جا سکے۔

بدقسمتی سے شمال مغربی ہند پر آریوں کے حملوں کی تاریخ یا تاریخیں زیادہ تر قیاس آرائی کا ہی موضوع ہیں۔ لیکن یہ خیال کرنے میں کوئی دشواری نہیں کہ یہ حملے قبل مسیح دوسرے ہزار سالہ قرن میں اور شاید اُس قرن کے وسط میں وقوع پذیر ہوئے۔ اگرچہ تعین وقت کا یہ پیمانہ موجود ثبوتوں سے تجاوز کر جاتا ہے۔

اس موقعے پر خنجروں کے ان آدھ درجن مجموعوں کا ایک بار پھر ذکر کر دینا مناسب ہوگا جو موہن جو داڑو کی بالائی تہوں سے ملے ہیں۔ ایک کے بعد ایک مصنف نے، جن میں شاید میں خود بھی شامل ہوں، ان خنجروں کی ضرورت سے زیادہ تشہیر کی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ غیر اہم ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں بیشتر کے بارے میں تفصیلات پورے طور پر قلمبند نہیں ہیں۔ بظاہر یہ سب ایک اونچی سطح کی تہہ پر پڑے تھے مگر ان کے متعلق یہ دونوں باتیں متنازع فیہ ہیں کہ وہ سب ایک ہی عہد کے ہیں اور یہ کہ وہ عہد شہر کی زندگی کا آخری دور تھا۔ یقیناً ان میں سے کچھ خنجر شہر کے آخری لمحوں سے تعلق رکھتے تھے۔
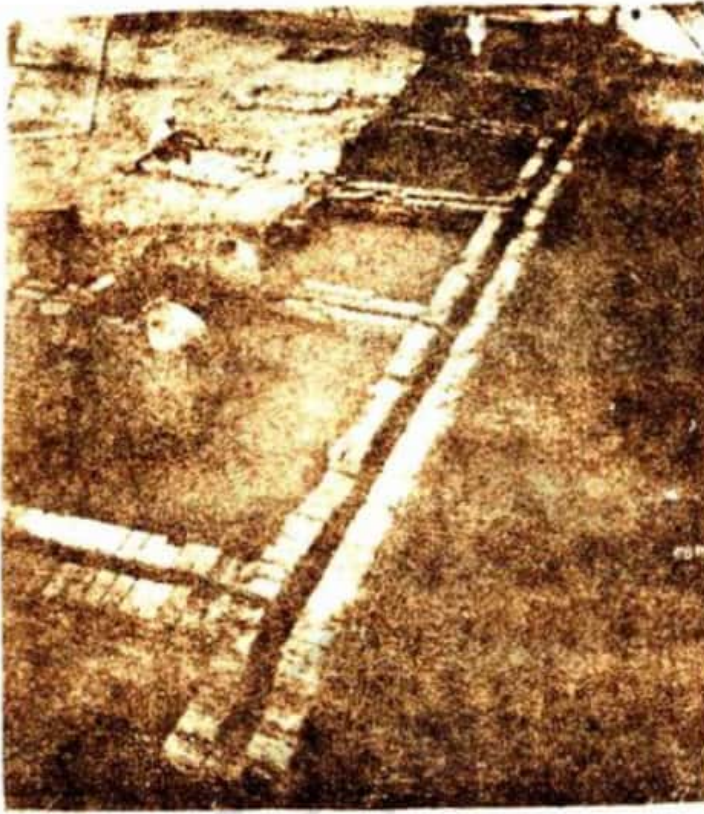
(تصویر ۹۵) تہذیب سندھ کے دوسرے مقامات کی طرح لوتھل میں بھی گندے پانی کے نکاس کی نالیوں کا سلسلہ بہت منظم تھا اس کا نمونہ یہ سڑک پیش کرتی ہے سڑک کے وسط میں بڑی نالی ہے جس میں بائیں طرف کے مکانات سے آنے والی نالیاں گرتی ہیں۔

دو پنجر "ڈی" کے ایریا" میں سب سے آخری تہہ پر ایک کنوئیں میں اترنے والی سیڑھیوں کے آر پار پڑے تھے۔ اور دو اور پنجر باہر سڑک پر تھے۔ 'وی ۔ایس ایریا' (V-S Aria) میں مکانات ۱۸ اور ۲۲ کے درمیان ایک گلی میں چھ پنجر، جن میں ایک بچے کا بھی تھا، ایک گلی میں ایسے مکانوں کے بیچ پھیلے پڑے تھے جو شہر کے آخری دور میں موجود تھے۔ خواہ ان کی تعمیر کی تاریخ کچھ ہی ہو۔ مبہم طور پر یہ بیان کیا گیا ہے۔ ان کی حالت سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نواحی کھنڈرات کے بعد کے تھے۔ ایچ آر ایریا کے ایک کمرے میں مردوں، عورتوں اور بچوں کے چودہ پنجر ملے، ان میں سے کچھ نے تہذیب سندھ کے عہد کے گہنے پہن رکھے تھے۔ یہ پنجر ایسی صورت میں پڑے پائے گئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اچانک اور تشددانہ موت کا شکار ہوئے۔ دو کی کھوپڑی کلہاڑے یا تلوار سے کاٹی گئی تھی وہ کس تہہ میں تھے یہ غیر یقینی ہے۔ ان کے بارے میں رپورٹ بہت ہی مبہم ہے۔ ممکن ہے کہ یہ پنجر درمیانی ایک (Intermediate) اور بعد والے تیسرے عہدوں (Late III) کے درمیانی دور کے ہوں، اگرچہ یہ امکان بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ وہ بعد والے عہد ایک (Late period I
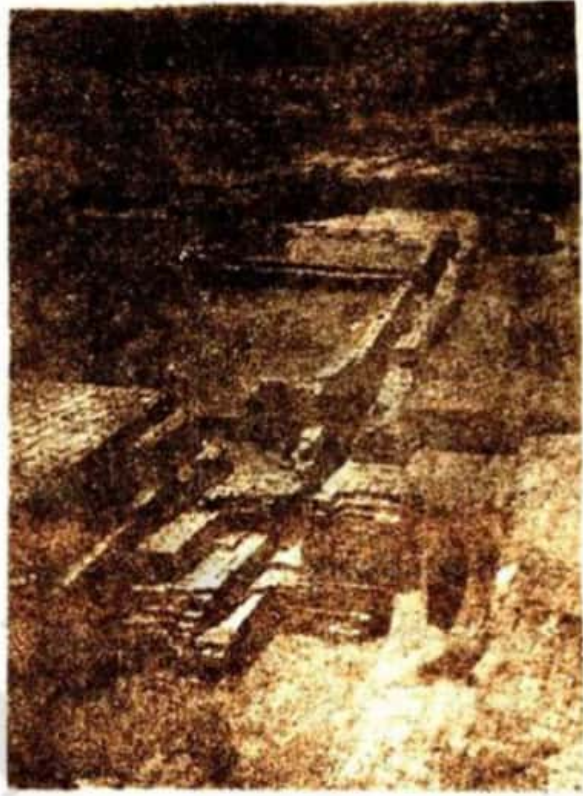
(تصویر ۶۶) لوتھل میں تہذیب سندھ کی سب ہی عام خصوصیات دکھائی پڑتی ہیں۔ سیدھی سڑکیں، نمایاں (تصویر ۶۵) اناج کا گودام اور پختہ نمرہ کل ملا کر آباد کاری کے چھ دور تھے۔ اس مقام کا اوپر سے لیا گیا یہ فوٹو گراف مکانات اور سڑکوں کی منظم ترتیب بخوبی دکھاتا ہے۔ (لوتھل کی جہازی گودی تصویر ۳۸ میں دیکھیے)

کے بعد کے ہوں گے"۔

حدود امکاں کو اس سے زیادہ پھیلانا ممکن نہیں، لیکن جہاں تک فوٹو گرافروں کی شہادت قابل اعتبار سمجھی جا سکتی ہے، اس فوٹو سے جو یہاں پر پیش کی گئی ہے، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پنجرے سب سے اونچی تہہ پر تھے۔ اس سے کم مشکوک پانچ پنجروں کا ایک مجموعہ ہے، جن میں (بظاہر طور پر) ایک عورت اور بچے کا پنجر بھی ہے، یہ پنجر ۶۵-۱۹۶۴ء میں جی۔ ایف۔ ڈیلز کو ایچ۔ آر۔ ایریا' کی ایک گلی میں اینٹ کے روڑوں اور ملبے میں ملے تھے جس کے اردگرد سب سے آخری دور کے مکانوں کی اونچی دیواریں تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ گلی کے ایک ٹیڑھے موڑ کے پیچھے پناہ لیے ہوئے تھے اور وہیں پکڑے گئے۔

"ڈی۔ کے۔ ایریا" میں پایا گیا نو پنجروں کا ایک اور مجموعہ، جس میں پانچ بچوں کے پنجر ہیں، بظاہر مختلف ہے۔ یہ سب "عجیب طرح سے مڑے ہوئے پڑے ہیں اور تھوڑی دور میں جمع ہیں" شاید ان کی لاشیں" ایک جلدی سے کھودے گئے گڑھے میں اندھا دھند پھینکا دی گئی ہوں گی"۔ لیکن کھدائی کرنے والے ماہر (میکے) نے آگے چل کر یہ ابہام آمیز بات کہی ہے کہ آسانی کی خاطر اس دفنانے کی جگہ کو گڑھے کا نام دیا گیا ہے لیکن اس کی کوئی واضح دیوار
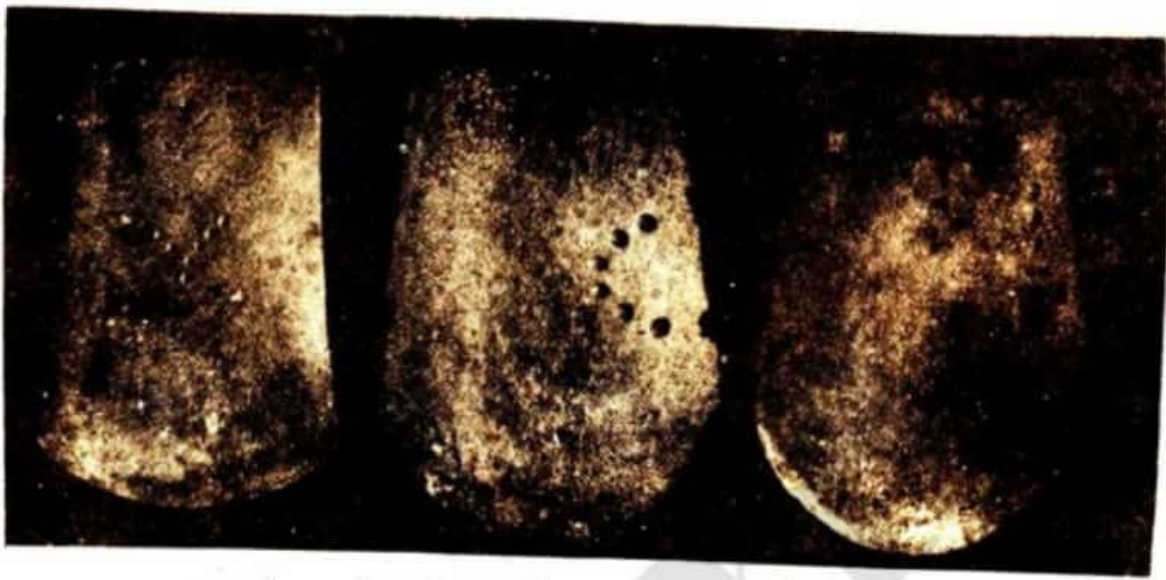
(تصویر ۹۷) وسط ہند میں ناوڈا ٹولی کے مقام سے پائے گئے تانبے کے چپٹے کلہاڑوں کی مثالیں اس طرح کے کلہاڑے دستے کے چیر میں پھنسا کر باندھ دیئے جاتے تھے۔

نہیں ہیں اور نہ ہی اس کے کھودے جانے کے آثار ہیں! لیجیے ایک بار پھر وہی معمہ ہے آخر ہم کیا سمجھیں؟ ان پنجروں کے ساتھ دو ہاتھی دانت تھے میکے کا قیاس ہے کہ یہ پنجر ایک کنبے کے ہیں جس کے کچھ فرد ہاتھی دانت کا کام کرتے تھے انھوں نے "حملے کے وقت اپنے سامان کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن حملہ آوروں نے انھیں روک کر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا" ان لاشوں کو تب آخری رسوم ادا کیے بغیر جلدی سے ملبے کی طرح ڈھک دیا گیا تھا جہاں تک عہد کا تعلق ہے ایک پنجر نے سندھ نمونے کا ایک کڑا پہن رکھا تھا۔ پنجر وسطی تین نمبر" (Intermediate III) کی ٹوٹی پھوٹی اینٹوں وغیرہ کے ڈھیر پر پڑے تھے۔ اس لیے وہ اس عہد سے بعد کے تھے۔ کھدائی کرنے والے ماہر نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ "عین ممکن ہے یہ المیہ" بعد والے ایک اے" (Late Ia) عہد میں وقوع پذیر ہوا ہو" اس مشاہدے کو جو بھی اہمیت دینا چاہیں دے دیجیے۔

اس آخری گروپ کے متعلق حیران کن اور اہم بات یہ ہے کہ یہی ایک گروپ تھا جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ موت کے بعد جلد اسے جان بوجھ کر ڈھک دیا گیا۔ بھلے ہی کتنی ہی جلد بازی سے ایسا کیا گیا ہو۔ خاص کر مشرق میں جہاں سڑنے کا عمل بہت جلد ہوتا ہے لاشوں کو آباد مکانوں کے درمیان اِدھر اُدھر پڑا رہنے نہیں دیا جاتا۔ موہن جوداڑو میں

پائے گئے ان تیس یا زائد پنجروں سے عام نتیجہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی موت کے لمحے سے یہ مقام غیر آباد رہا' (تاحال) قلعے میں سے کوئی بھی پنجر نہ ملنے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حملہ آوروں نے اس مستحکم مقام کو مقابلہ کرنے والوں سے صاف کر کے وقتی استعمال کے لیے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ باقی کے متعلق یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ لٹے پٹے شہر میں ادھر اُدھر سلگتے ہوئے شعلوں کی وجہ سے درندے اس سے دور رہے'

یہ سب بیان کر دینے کے بعد مزید اتنا کہوں گا کہ موہن جودارُو کا انجام اگر قتل عام سے ہوا' جیسا کہ موجودہ آثار سے واقعی ظاہر ہوتا ہے تو بھی اس کے لیے زیادہ گہری وجوہ کارفرما تھیں عین اغلب ہے کہ ان وجوہ میں تباہ کن سیلاب زمین میں شورہ ہوجانا اور آب پاشی میں رکاوٹ پڑنا شامل ہوں' اور ہوسکتا ہے سیموئیل ٹیلر کے اس نوح میں پنہاں حقیقت کا کچھ عنصر بھی اس انجام کے لیے کسی قدر ذمہ دار ہو کہ "زندگی تھک جانے کا ایک لمبا عمل ہے" یقیناً انسانی فطرت یا کردار بھی کم از کم کچھ حد تک آخری سبب ہوتا ہے۔ اور اس کا کوئی پیمانہ نہیں ہے۔

باب سوئم

تہذیبِ سندھ کے بعد

شمال مغرب میں

اس کے بعد کیا ہوا؟ موجودہ آثار سے جو تعداد کے اعتبار سے غیر موثر ہیں، یہ قیاس ہوتا ہے کہ سندھ کی "سلطنت" (اگر اس کی وسعت کی وجہ سے اسے یہ نام دینا جائز ہے) اسکے خاتمے کے بعد تمدنی انتشار کا ایک لمبا دور گذرا۔ کچھ اسی طرح کے حالات نے سندھ کی تہذیب کو جنم دیا تھا مگر اب ان حالات میں کچھ دور افتادہ بیرونی عناصر بھی شامل ہو گئے تھے۔ ہڑپہ میں تہذیب سندھ والے شہر کی جگہ، شاید خاصی مدت گذر جانے کے بعد "قبرستان ایچ" کا تمدن وجود میں آیا۔ یہ نام اسے ایک قبرستان کی وجہ سے دیا گیا ہے جو حقیقی ہڑپہ تمدن کے کھنڈرات کے اوپر پایا گیا ہے۔ قبرستان ایچ والے لوگ بھدی اور بے ڈھنگی عمارتیں اور اچھی نقاشی والے مٹی کے برتن بناتے تھے۔ ان میں کچھ نیم ہڑپہ عناصر موجود ہیں مگر بنیادی طور پر وہ اپنی مخصوص نوعیت کے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمدن وسطی سندھ کے ایک ٹکڑے تک محدود تھا لیکن اس کی کافی کھوج ابھی نہیں ہوئی ہے۔ موہنجو داڑو کے اسّی میل جنوب میں، سندھ کی تہذیب کے چھوٹے قصبے چانہو داڑو کی جگہ پر نچلے درجے کے ایک کے بعد ایک کرکے دو غاصب تمدن (Sq uatter. enltures) قائم ہوئے۔ انہیں مقامی ناموں "جھکر" اور "جھنگر" سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ۳۰ میل دور آمری میں بھی یہی ہوا۔ جھکر والے دیہاتی مٹی کے برتن بناتے تھے اور گول بٹن جیسی مہریں استعمال کرتے تھے جن پر عموماً گول یا چوکور خانے دار نمونے بنے ہوئے تھے۔ یہ شمالی ایران اور کاکیشیا میں دوسرے ہزار سالہ قبل مسیح

(تصویر ۹۸-۹۹) نارڈاٹولی میں پائے گئے مٹی کے برتن بہت حد تک انفرادی خصوصیت رکھتے تھے ان میں اونچے پائے والے خوبصورت پیالے (شیمپین یا برانڈی کے گلاس) اور چوڑے کھلے پیالے شامل ہیں۔ یہ ہلکے زردی نما رنگ کے ہیں جن پر بڑی نفاست سے کالے رنگ کے اقلیدسی نمونے بنائے گئے ہیں۔

قرن میں پائے جانے والے نمونوں کے مشابہہ ہیں۔ شمالی بلوچستان کی ژوب وادی میں مغل غنڈی مقام پر قبرو سائی نشان دہی کرنے والے ڈھیروں سے ایک تین پایوں والا مرتبان۔ گھوڑے کی گھنٹیاں انگوٹھیاں اور چوڑیاں پائی گئی ہیں ان کا موازنہ وسطی ایران میں سیالک کے مقام پر" قبرستان بی" سے برآمد ہونے والے سامان سے کیا گیا ہے۔ یہ سامان لگ بھگ ایک ہزار سال قبل مسیح کا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد کا ہی ہو۔ کچھ اکا دکا چیزیں دریافت ہوئی ہیں جو اسی طرح مغرب میں ایران اور کاکیشیا کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان کی مثالیں ہیں۔ لگ بھگ بارہویں صدی قبل مسیح کا کانسے کا مشہور چھدا جو سندھ کے مغرب میں کوہِ سلیمان میں واقع فورٹ منڈو سے ملا ہے اور تانبے کا ایسا محور والا کلہاڑا جو افغانستان کی سرحد پر قدم وادی میں پایا گیا ہے۔ اس تھوڑے سے سامان سے مجموعی طور پر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مقامی کم مایہ تمدنوں کو کچھ تو اپنی نیم سندھی وراثت سے ملاتی اور کچھ عناصر انہوں نے شمالی مغرب سے حاصل کرکے اپنے اندر سمو لیے تھے حسب سمت سے درحقیقت آریوں کے حملے ہوئے تھے، مادی طور پر، وادی سندھ میں عظیم تہذیب سندھ اور اس کے بعد وجود میں آنے والے کم مایہ تمدنوں کے درمیان کوئی حقیقی تسلسل نہیں تھا۔ اس تسلسل کی غیر موجودگی غور طلب ہے۔
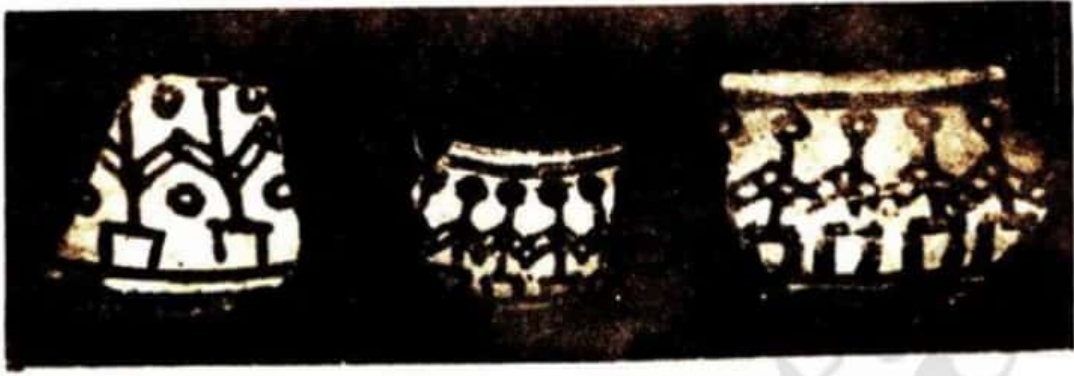
(تصویر ۱۰۰) ناوڈاٹولی میں ملے رنگ کیے ہوئے مٹی کے برتنوں کے ٹکڑے جن پر بڑے انداز کے ساتھ ناچتے ہوئے انسانوں کی شبیہیں دکھائی گئی ہیں۔

سوراشٹر میں

دوسری طرف، ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کی جانب تصویر مختلف ہے۔ فی الحال ہمیں چند ابتدائی تبصرات پر ہی اکتفا کرنی ہوگی لیکن یہ امر اب تک کافی حد تک واضح ہو چکا ہے کہ متعدد مقامات پر تمدن سندھ کسی ڈرامائی وقفے کے بغیر نیم سندھ اور جانشین، تمدنوں میں تدریجاً بدل گیا تھا۔ متعلقہ مقامات یہ تھے:۔ کاٹھیاواڑ یا سوراشٹر میں لوتھل، رنگ پور (راجکوٹ کے جنوب میں) روجڈی، سومناتھ اور دوسری جگہیں اور مزید جنوب کی طرف بھڑوچ اور سورت ضلعوں میں نربدا کے دہانے پر واقع میگھام اور تیلوڑ اور کم۔ کنارے بھاگاترد۔ یہ ثبوت نئے اور اہم ہیں۔

یہاں احتیاط کے طور پر یہ ایک بات کہہ دینا ضروری ہے۔ میں نے مسلمہ تمدن سندھ سے سایوں جیسے تمدنوں، تدریجی تبدیلی کے عمل سے ایسے پیدا ہونے کا ذکر کیا ہے جو (وقت اور مقام کے اعتبار سے اس کے حاشیے پر واقع تھے۔ آثار قدیمہ کے ماہروں کے لیے اس عمل کی تحدید کر دینا ضروری ہے تب ہی ابہام کا خطرہ نہیں رہے گا۔ خاص کر اس بات کا صاف طور سے جائزہ لینا لازمی ہے کہ کم از کم ان شرائط کے پورا ہونے پر کسی تمدن کے ساتھ "سندھ" کا خصوصی لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ میں یہ متبادل یا مجموعی ضروریات (شرائط) تجویز کرتا ہوں۔ (۱) سندھ کی مہریں (۲) سندھ کی تحریر خواہ مہروں پر ہو یا مٹی کے برتنوں پر۔ (۳) مٹی کے برتنوں پر کچھ خصوصی سجاوٹی نمونے جیسے کہ ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے دائرے، کھپریلی ترتیب (اگرچہ یہ ہڑپہ سے پہلے والے کوٹ ڈیجی میں پائی گئی ہے۔) پیپل کے پتے، گلاب کے پھول کے نقش اور سندھ کی تہذیب کے ڈھنگ کی مور کی شبیہیں (۴) مٹی کے برتنوں کی کچھ خصوصی ساختیں جیسے کہ تکھے پیندے،

والے پینے کے پیالے، بیلن کی شکل کی چھلنیاں، اونچے مرتبان جو ایک طرف سے دیکھنے سے S کی شکل کے ہوں اور جن کے ابھرے ہوئے کنگورے ہوں، اور پھل رکھنے کی رکابیاں یا پائے پڑی رکابیاں اگرچہ موخرالذکر خصوصی تمدن سندھ سے باہر ہی مل سکتی ہیں۔ (۵) تکونے پکائی مٹی کے ٹکڑے، (۶) سیپ یا چمکیلی سطح والی پکائی مٹی کے ٹکڑوں سے کی گئی مینا کاری جو گردے کی شکل کی ہو، (۷) کچھ قسموں کے منکے خاص کر گول اور چپٹے جن کے بیچ نلیاں ہوں۔

بلاشبہ وقت آنے پر کچھ اور ایسی ساختیں یا قسمیں مل سکیں گی جو سندھ تہذیب کی موبائی یا بعد والی انواع کی نشان دہی کرتی ہوں۔ دریں اثنا "سندھ" لفظ کے استعمال میں احتیاط برتنے کی پھر تاکید کر دینا ٹھیک ہوگا۔

اس شرط کے ساتھ اب سوراشٹر (کاٹھیاواڑ) میں اور اس سے بھی آگے جنوب کی طرف سندھ کی تہذیب کی ایک بعد والی اور ارتقاپذیر شاخ کی شناخت کرنا ممکن ہو رہا ہے شاید اس میں مقامی تبدیلیاں ہوئیں اور اس کا عہد آگے ۱۶۰۰ قبل مسیح کی طرف بڑھا، میں نے اس شاخ کے لیے خصوصی نام "سوراشٹری، سندھی" تجویز کیا ہے۔

تاحال ان سوراشٹری مقامات میں سب سے زیادہ معروف لوتھل ہے اس کی سیدھی گلیاں، نالیاں، غلہ گودام اور چبوترہ اور آبادکاری کے چھ دور پائے گئے ہیں۔ ایس۔ آر۔ راؤ نے اس مقام کی بہت اچھی طرح سے کھدائی کروائی ہے۔ سنگ صابون کی متعدد مہریں اور کچھ مٹی کے برتن اسے خالص "سندھ" کا مقام عطا کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس کے مٹی کے برتنوں کی سجاوٹ، پرندوں، بکری جیسے چوپایوں اور پیڑوں کے نمونوں کی پٹیوں تک محدود ہو گئی ہے۔ اس سجاوٹ کا تعلق سندھ کی نسبت وسطِ ہند (مالوہ اور نربدا کے علاقے) کے تانبے اور پیتل پر کندہ کچھ نمونوں سے زیادہ ہے۔ یہاں کچھ نئی ساخت کی چیزیں بھی ملتی ہیں جو جو سندھ میں نہیں پائی جاتیں، ان کی مثال سٹڈ بٹن جیسے دستے والا برتن ہے۔ جس کا ایک خصوصی نمونہ بن جانے کا امکان ہے۔ ان سب سے بھی زیادہ اہم وہ کالے؛ لال مٹی کے برتن (Black-and-Red-ware) ہیں جو سندھ اور نیم سندھ ساختوں کے ساتھ لگاتار پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان سے گھٹیا درجے کے ہیں۔ الٹا کرکے پکائے جانے کی وجہ سے رنگ میں یکسانیت نہیں ہے۔ مٹی کے برتن پکانے کا یہ طریقہ ہندیس اور اس کے باہر دور دور کے علاقوں میں اور بہت لمبے عرصے تک استعمال ہوتا رہا ہے۔ کہیں کہیں ان برتنوں پر سفید لکیروں اور بندیوں سے
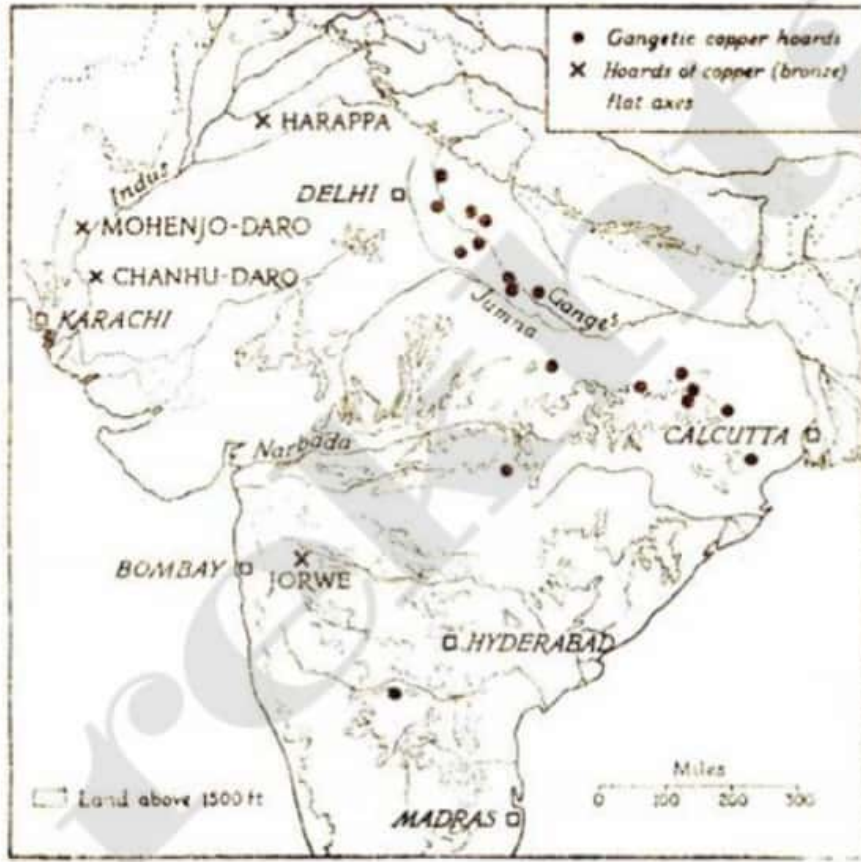
سجاوٹ کی گئی ہے جو نفیس نہیں ہے۔ اس بارے میں بہت کم شبہ رہ گیا ہے کہ ان برتنوں سے ہی ان کالے لال مٹی کے برتنوں کی ساخت کا آغاز ہوا، جو قبلِ مسیح پہلے ہزار سالہ قرن کے دوسرے نصف حصے میں وسطی اور جنوبی ہند کے بڑے پتھروں کی یادگاروں والے تمدن میں لگاتار موجود ہے

یہ آثار صرف لوتھل میں مہیا ملے ہیں۔ مزید شمال کی طرف راج کوٹ کے قریب روجڈی میں ایک اور نیم تہذیب سندھ کا مقام ہے۔ اس کی تصدیق ایک چیز پر متضاد رنگوں کے استعمال سے کندہ سندھ ہی سے ہوتی ہے۔ یہاں بھی نیم سندھ ساخت کے برتنوں کے ساتھ ساتھ کالے لال مٹی کے برتن ملے ہیں۔ لوتھل سے ۳۰ میل دور رنگ پور میں جی ریک "بعد والے" سندھ تمدن کے نمونوں کے ساتھ ساتھ یہ کالے لال برتن پائے گئے ہیں۔ یہ بعد والے سندھ تمدن کی برتنوں کی ساخت خود "چمکیلے لال برتنوں" کی (صنعت کی) صورت میں ترقی پذیر ہوئی جو سندھ

۱۰۱۔ گنگا کے تانبے اور تانبے کی چپٹی کلہاڑیوں کے ذخیروں کی تقسیم
۱۰۲۔ دریافت شدہ گنگا کے تانبوں کے ذخیروں کی مثالیں۔
۱۔ شیوراج پور کے انسانی پیکر جیسا ہتھیار۔ ۲، ۳۔ فتح گڑھ کی انٹینا تلواریں۔ ۴، ۵۔ بیٹھولی اور بسولی کے ہارپون ہتھیار۔ ۶۔ پنڈی کا گھیرا۔ ۷، ۸۔ بیٹھولی کی ٹیڑھی کلہاڑی اور بھالا۔ ۹۔ گنگاریہ کی کلہاڑی۔ ۱۰۔ ڈُنیاریہ کی کلہاڑی۔ ۱۱۔ شیگراپیر کی دوہری کلہاڑی۔ ۱۲، ۱۳۔ گنگا... کے بسولے۔

کی وادی سے ایک دم مختلف تھی۔ کسی نہ کسی شکل میں سوراشٹری، سندھی تہذیب بڑے شہروں کے تمدن کا ایک صوبائی روپ تھا اس میں مقامی کاوش کا عنصر موجود تھا جس کی مقدار کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس کا جھکاؤ وسطی اور جنوبی ہند کی طرف تھا۔

ظاہر ہے کہ اس بارے میں محض قیاس آرائی ہی کی جا سکتی ہے کہ یہ اور ہڑپہ تمدن کے دوسرے مقامات اس قدر جنوب کی طرف کھمبات کی خلیج تک کیسے وجود میں آئے۔ اس بات کی مجموعی شہادت موجود ہے کہ ان کا قیام اسی وقت ہوا جب تہذیب سندھ اپنے نام والے مرکزی علاقے میں مضبوطی سے قائم ہو چکی تھی۔

ہو سکتا ہے کہ ساحل کے ساتھ ساتھ اس تہذیب کا پھیلاؤ خلیج فارس کی طرف بڑھتی ہوئی سمندری تجارت کا ایک مثبت پس عمل ہو۔ دوسری طرف، اگر ساحل کی سطح

اسنھ کا نظریہ (جواب مقبول ہے) صحیح ہے تو سندھ کے دہانے کے قریب سطح ساحل اونچی ہوتے رہنے سے زیریں سندھ کے علاقے میں پانی جمع ہو گیا ہوگا اور جزوی طور پر وادی زیرِ آب ہو گئی ہوگی۔ ایسے حالات میں یہ قیاس درست ہوسکتا ہے کہ اس جنوبی آبادکاری میں شمال سے بے گھر ہوکر آئے لوگوں کا ہاتھ تھا۔ یا پھر دونوں وجوہ کا ہونا بھی تسلیم کیا جاسکتا ہے، اس پختہ اصول کی بنا پر کہ بہت سیدھی سادی توضیحات عموماً غلط ہوتی ہیں۔ یقین کے ساتھ کچھ کہنا ابھی ممکن نہیں ہے۔

وسطی ہند میں

دو چھوٹے چھوٹے ثبوت قابلِ ذکر ہیں جو سوراشٹری "سندھ" اور وسطی ہند (تمدنوں) کے مابین تعلق پر کچھ نئی روشنی فراہم کرتے ہیں۔ قبل مسیح پہلے ہزار سالہ قرن کے اوّلین نصف میں اور اس سے پیشتر وسطی ہند میں خصوصی طور پر پتھر کے چھوٹے پھلوں والے اوزار بنتے ہیں کہیں کہیں اس عہد کے متوازی الحداف والے پھل ملے ہیں جو مقابلتاً زیادہ مضبوط ہیں۔ یہ وادیٔ سندھ اور بلوچستان کے چقماقی پھلوں سے ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً آندھرا پردیش میں ناکی کے مقام پر پائے گئے پھل پانچ انچ سے زیادہ لمبائی تک کے ہیں۔ اتفاقیہ طور پر اس صفت کے لیے ضروری سامان اس خطے میں میسر تھا، لیکن اس امر کے قطع نظر یہ قیاس کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا کہ یہ شمال مغرب سے آئے ہوئے تاثر کی ایک حقیقی مثال ہے اور یقیناً یہ تاثر سوراشٹر میں سے ہوکر آیا تھا اس کے علاوہ ایسے عہد کے کچھ مقامات پر جب دھات اور پتھر دونوں کے اوزاروں کا چلن تھا تانبے کے چپٹے کلہاڑے پائے گئے ہیں جو سندھ کی تہذیب کے نمونے کے ہیں۔ چھ ایسے کلہاڑے بمبئی کے مشرق کی جانب جوروے میں اور کچھ وسطی نربدا میں واقع ناوڑا ٹولی میں ملے ہیں، یہ کلہاڑے کسی خاص قسم کے نہیں ہیں پھر بھی ان کا پایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ زیریں سندھ اور نربدا کے علاقوں کے درمیان کچھ حد تک تمدنی رابطہ تھا جو مغربی ساحل کے راستے قائم ہوا تھا۔ یہ تمام ثبوت ایک دوسرے کی تطبیق کرتے ہیں۔

مزید ثبوت ملنے پر اس عہد میں وسطی اور ہڑپہ تمدن کے ہند کے درمیان روابط ہونے کے امکان پر غور کیا جاسکتا ہے۔ قرون وسطی اور جدید زمانے میں چاول کو جو اہمیت حاصل رہی ہے اس کے پیشِ نظر چاول کی قدیم ترین تاریخ کے بارے میں ہماری معلومات

ابھی بہت ہی کم ہیں، جن کروڑوں لوگوں نے اس جنس کو اپنی خوراک کا سب سے بڑا حصہ بنایا ہے ان کی جسمانی اور ذہنی ساخت پر اس کے اثر کو جتنی بھی اہمیت دی جائے کم ہے۔ یقیناً دوسرے عناصر نے بھی کام کیا۔ ان عناصر کے ساتھ مل کر اس نے ایک ایسے طرزِ زندگی کے وجود میں آنے میں مدد کی جو کچھ خطوں یا سماجوں کی خصوصیت بن گیا ہے، یا کچھ عرصہ پہلے تک بن چکا تھا۔ مذہب کے اکا دکا ناطوں یا کچھ عام میعاروں کے باوجود گیہوں کھانے والے پنجابی کسان اور چاول کھانے والے بنگالی کسان کے درمیان اختلاف نمایاں ہے۔ ذہن اور عادات پر خوراک اور اس سے وابستہ مختلف زراعتی طریقوں کے اثرات کے متعلق نئے سرے سے مطالعہ کیے جانے کی کافی گنجائش ہے۔

ہڑپہ تمدن کے مقام موتھل کے "دور اے" میں چاولوں کی چھاپ پہچانی گئی ہے یہ عہد ریڈیو کاربن کے طریقے سے ۱۷۰۰ قبل مسیح یا اس کے کچھ بعد تک رہا۔ قریب اسی زمانے میں وسطی نربدا یا نربدا کے دور افتادہ ناوڑا ٹوی کے چھوٹے سے مقام پر عہد دو سے چار میں چاول پایا گیا ہے۔ یہاں ریڈیو کاربن کے طریقے سے عہد دو کی ایک بعد والی تہہ کی تاریخ ۱۶۶۰ قبل مسیح ± ۱۳۰ نکلتی ہے۔ عہد ایک میں، جو اس سے بہت زیادہ قدیم نہیں معلوم ہوتا، گیہوں کا استعمال کیا جاتا تھا مگر چاول کا نہیں۔ لہٰذا اگر یہ شہادت عام صورتِ حال کی نشاندہی کرتی ہے تو مغربی ہند میں اٹھارہویں صدی قبل مسیح میں اور وسطی ہند میں شاید اس سے ایک صدی بعد چاول کا علم ہو چکا تھا۔ تاحال کسی اور خطے میں ان تاریخوں سے پہلے چاول کے ہونے کے کوئی آثار نہیں ملے ہیں۔

ناوڑا ٹوی (آغاز قریب سترھویں صدی قبل مسیح) کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ پروفیسر ایچ۔ ڈی۔ سنکالیہ نے اس مقام کی وسیع پیمانے پر کھدائی کروائی ہے۔ اس سے ملنے والی اور معلومات کا بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ جگہ مہیشور کے بالمقابل نربدا کو پار کرنے کے ایک قدیم راستے کے جنوبی سرے پر واقع ہے۔ اس کا موجودہ نام "ناوڑا" یا ملاح سے بنا ہے جو بلاشبہ یہاں کا روایتی پیشہ تھا۔ قریبی جدید گاؤں میں رہنے والے بیشتر مرد ملاح ہی ہیں۔ قدیمی مقام چار چھوٹے ٹیلوں پر مشتمل ہے۔ یہ وادی کی سب سے اونچی جگہ پر ایک چھوٹے سے علاقے میں ہیں۔ جس کے چاروں اطراف چار چار سو گز سے زیادہ نہیں ہیں۔ شروع سے ہی پتھر اور کانسہ دونوں کے اوزاروں والے عہد کے اس گاؤں
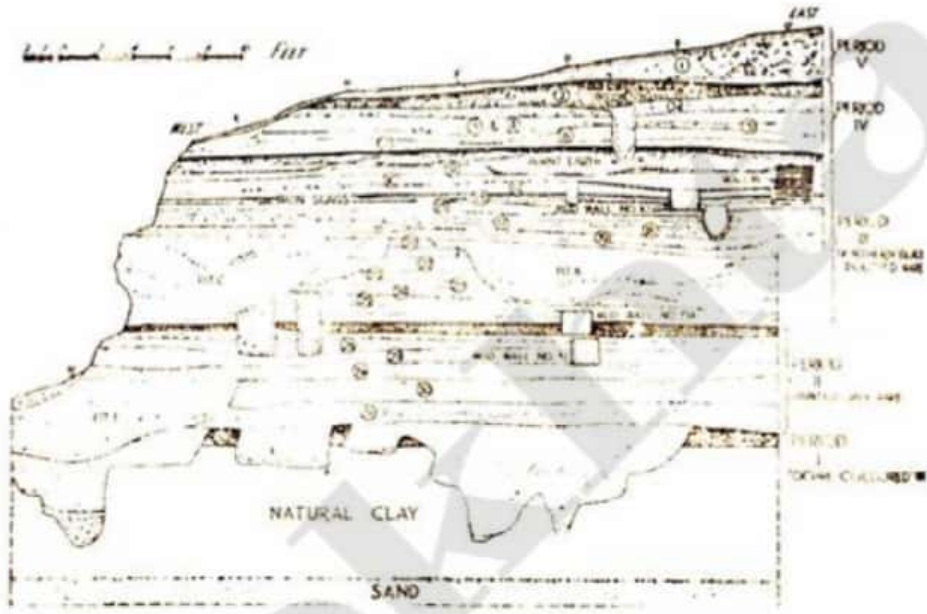
(تصویر ۱۰۳) اوپری وادی گنگا میں واقع ہستنا پور کے ٹیلے کے طبقات

کی جھونپڑیاں لکڑی کے ڈنڈوں اور بانس کے پردوں سے بنی تھیں۔ ان کا نقشہ مربع یا مستطیل ہوتا تھا گول ساخت شاید گوداموں کی تھی۔ فرش مٹی اور گوبر کے تھے جن پر چونے کی پتلی سی پُتائی کردی جاتی تھی جیسا کہ کھدائی کروانے والے ماہر کا کہنا ہے۔ اپنے وقت میں یہ فرش خاصے صاف ستھرے لگتے ہوں گے۔ سامان میں " تانبے " کے چپٹے کلہاڑے مچھلی پکڑنے کی کنڈیاں، پن اور انگوٹھیاں شامل تھیں ان کے علاوہ پتھر کے اوزاروں کے پھلوں کی کافی بڑی صفت تھی۔ یہ پھل ایک سے دو انچ کے تھے اور کبھی کبھی انہیں گھسا کر خوبصورت بھی کیا جاتا تھا۔ عموماً عقیق یا سنگ یمانی استعمال کیے جاتے تھے۔ مجموعی طور پر اسے پتھر کے چھوٹے اوزاروں والی غیر ترقی یافتہ صنعت کہا جا سکتا ہے۔

اس کے برعکس مٹی کے برتنوں میں غیر معمولی خصوصیت تھی۔ سامان جمع رکھنے کے مرتبانوں کے علاوہ ان میں پائے والے نفیس پیالے (شیمپن یا برانڈی والے گلاس) اور سجاوٹی برتن شامل تھے۔ پیالے ہلکے پیلے رنگ کے ہوتے تھے جن پر سیاہ اقلیدسی نمونے بنے ہوتے تھے۔ سجاوٹی برتنوں کا بھی وہی رنگ ہوتا تھا اور ان پر جانوروں کی
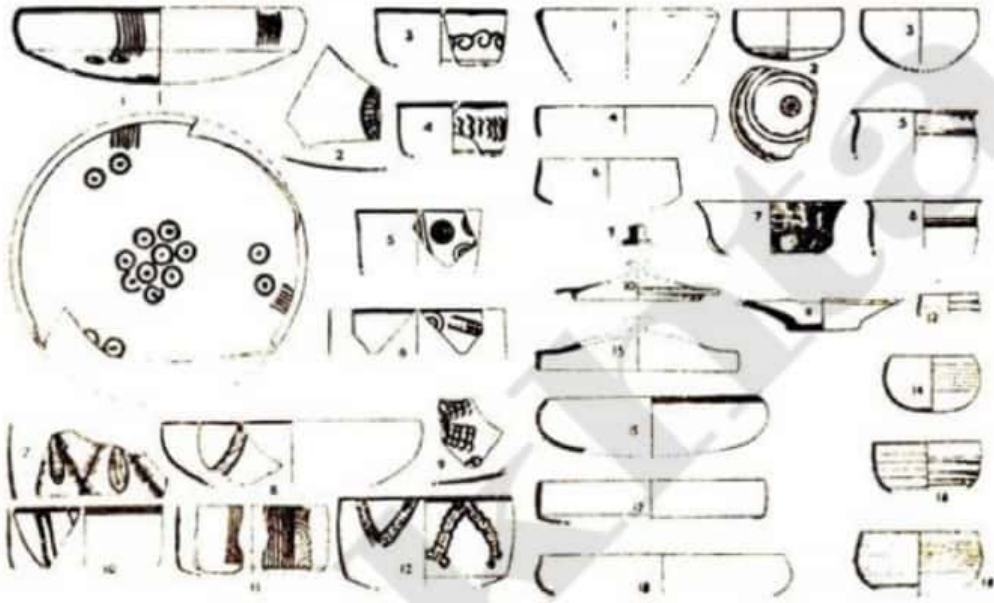
(تصویر ۱۰۴، ۱۰۵) بائیں، رنگ کیے ہوئے سیلیٹی مٹی کے برتن۔ دائیں، شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتن پیمانہ ½.

شبیہوں کے نمونوں پر بڑے انداز کے ساتھ ناچتے ہوئے انسانوں کی قطاروں کے خاکے ہوتے تھے۔ ایسے پیالے بھی پائے گئے ہیں جن میں سے مادہ انڈیلنے کے لیے اوپر سے کھلی لگ بھگ سیدھی نلیاں یا ٹونٹیاں ہیں۔ ابتدا میں یہ دھات کے برتن کی ساخت تھی اور قیاساً ایران سے نکلی تھی، لیکن اس وقت تاریخوں کا جو تعین ہوا ہے اس کے مطابق ایرانی نمونے کئی صدیاں بعد وجود میں آئے۔ بہرحال، درمیانی ۱۱۰۰ میل کے ایشیائی علاقے میں کھوئی بیچ کی کڑیاں معلوم نہیں ہو سکی ہیں۔

مالوہ اور وسطی ہند کے دوسرے علاقوں میں دھیرے دھیرے اسی عام نوعیت کے مقامات روشنی میں آ رہے ہیں جہاں پتھر اور کانسہ دونوں کے اوزاروں کا چلن تھا چھوٹے پتھر کے پھلوں والے اوزاروں کی سادہ صفت موجود تھی اور مٹی کے برتن زیادہ حد تک مقامی نمونوں کے تھے۔ ان مقامات کا عہد مختلف طور پر قبل مسیح دوسرا ہزار سالہ قرن اور پہلے ہزار سالہ قرن کا ابتدائی دور تصور کیا جاتا ہے لیکن زیادہ یقینی تعین وقت کے لیے ان کی ریڈیو کاربن کے طریقے سے جانچ کرنا ضروری

(تصویر ۱۰۱ (نقشہ) وہ مقامات جہاں سے رنگ کیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتن اور شمالی سیاہ پالش والے برتن پائے گئے۔

ہے۔ علاقائی یا مجموعی حیثیت سے بھی یہ مقامات، بہت دلچسپ ہیں لیکن یہ کہیں بھی "تہذیب کے درجے تک نہیں پہونچتے۔ بنیادی طور پر یہ دیہاتی" تمدن ہیں۔ ان علاقوں میں تہذیب کا قیام کافی عرصے بعد ہوا۔ جب پانچویں صدی قبل مسیح میں یا اس کے لگ بھگ ایک نئی سمت سے نئے عناصر ایک نئی دھات کو ساتھ لے کر آئے۔ یہ ہند میں تہذیب کی کہانی کا تیسرا باب ہوگا۔ دوسرے باب کے لیے ہمیں گنگائی وادی کی طرف رخ کرنا ہوگا ساتھ میں شمال مغربی سرحد پر جزوی طور سے ہمعصر واقعات کی طرف بھی ایک نظر ڈالنی ہوگی۔

باب چہارم

گنگا کا تھالا

سیلانی دستکار

گنگا۔ جمنا (گنگا۔ یمنا) تھالے کے دو دریاؤں والے خطے یا دوآب کی کھوج کا کام ابھی تک ابتدائی دور میں ہے۔ دوآب کے اندر (پتھر کے ابتدائی اوزاروں کے دور کے بعد کے زمانے سے متعلق) پہلا قابلِ توجہ واقعہ اس خطے کے وسیع حصے میں تانبے کی اور تھوڑی سی کانسے کی چیزوں کے مجموعوں کے ایک خصوصی سلسلے کا پایا جانا ہے۔ جو آسانی سے شناخت کی جا سکتی ہیں اگرچہ ان کی اہمیت کو ابھی کافی حد تک نہیں سمجھا جا سکا ہے۔ یہ اشیا موٹے طور پر آٹھ قسموں کی ہیں :۔ (۱) چپٹے کلہاڑے، عموماً نیم مستطیل ساخت کے چھوٹے اور مضبوط اور ٹیڑھی دھار والے (۲) ابھرے ہوئے پھل والے کلہاڑے جو گولائی والی دھار اور پیچھے کے حصے کے ملنے کی جگہ پر صریحاً خم کھا گئے ہیں۔ (۳) چھینی جیسے سرے والے اوزار، جو دو فٹ لمبے ہیں۔ لگ بھگ متوازی اطراف کی چھڑ کے ایک سرے کو پھیلا کر چھینی جیسی دھار بنا دی گئی ہے یہ دھار کلہاڑوں کی طرح چھڑ کی موٹائی کے درمیان میں نہیں بلکہ ایک طرف کی سطح کے برابر بنائی گئی ہے۔ (۴) چھلے جو گول چھڑ کو اتنا موڑ کر بنائے گئے ہیں کہ اس کے دونوں سرے مل جائیں۔ (۵) مچھلی مارنے کے ڈوری دار بھالوں کے سرے۔ جو حیران کن طور پر مغرب کے سینگ سے بنے میگڈا لینسن یا ازیلیسین بھالوں کے سروں جیسے ہیں۔ ان کے دونوں طرف مڑے ہوئے

(تصویر ۱۰۷) ۵۰۰ قبل مسیح کے بعد ہندوستانی قصبات میں گندے پانی کو سکھانے کے گڑھے بننے لگے یہ دو مثالیں ہتنا پور سے ہیں ایک میں چھید دار پیندے والے مٹکے اور دوسری میں پکائی مٹی کے چکر لگے ہیں۔
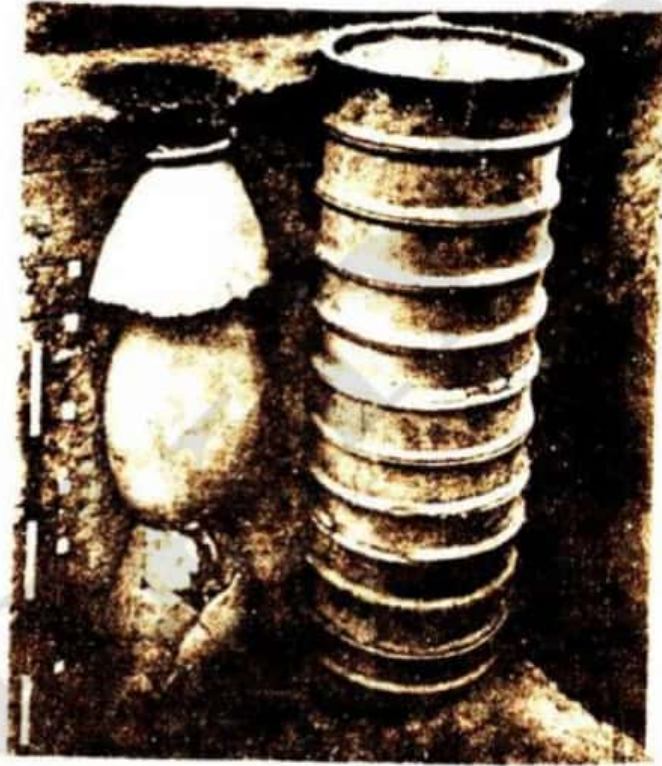
کانٹے ہیں اور ڈوری باندھنے کے لے کنڈی یا بڑھاؤ بنا ہوا ہے (۶) بھالوں سے کے (جنھیں کبھی کبھی تلواریں کہا جاتا ہے) ان کے پھل سے ہموار سیدھی مضبوط چھڑ ہے اور اکثر پچھلے سرے پر ڈوری باندھنے کے لیے موڑ یا بڑھاؤ سا ہے (۷) تلواریں، جن کا دستہ اور پھل عموماً ایک ہی چھڑ سے بنا ہے اور دستے پر دو طرف شاخیں سی نکلی ہوتی ہیں (۸) عجیب انسانی شکل کی چیزیں جو اٹھارہ انچ تک لمبی ہیں انھیں انسانی پتلے سمجھا جا سکتا ہے جن کی ٹانگیں کھلی اور بازو اندر کی طرف خم کھائے ہوئے ہیں۔ یہ معلوم نہیں کہ ان کا مقصد کیا ہے اور کیا واقعی یہ جان بوجھ کر انسانی شباہت کے بنائے

◄

(تصویر ۱۰۸) کوشامبی کی فصیل مٹی کے پشتے پر مشتمل ہے جس پر باہر کی طرف پیچھے کو گھٹتی ہوئی پکی اینٹوں کی دیوار ہے۔ یہاں مشرقی دروازے کے نزدیک دیوار کے ۱۵۴ ردّے اب بھی موجود ہیں۔ دیوار کے نیچے کا حصہ باہر کو ابھرنے لگا تھا۔ دباؤ کو کم کرنے کے لیے اس میں سوراخ کر دیئے گئے تھے

گئے ہیں۔

کوئی ۴۴ مقامات پر ان قسموں کے اوزار ملے ہیں۔ بیشتر وہ مجموعوں میں پائے گئے ہیں۔ یہ مقامات اتر پردیش، مدھیہ پردیش، وندھیہ پردیش، بہار، آندھرا پردیش مغربی بنگال اور اڑیسہ میں ہیں۔ صرف ایک اور نمونہ ملا ہے جو اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ سوراشٹر کے ہڑپہ تمدن والے مقام لوتھل میں پایا گیا ہے۔ یہ انسانی شبیہ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اگرچہ یہ واحد نمونہ اپنے آپ میں کارآمد ہو سکتا ہے اس بات کی علامت کے طور پر کہ اس طرح کی ایک آدھ چند اٹھارہویں صدی یا سترھویں صدی قبل مسیح کے قریب کے زمانے میں موجود تھی۔ لیکن تمدنی لحاظ سے ہڑپہ کے ماحول سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابھی تک اوزاروں کے ان مجموعوں کے عہد کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ملا ہے، سوائے اس کے کہ جن متعدد مقامات سے مٹی کے رنگ کیے ہوئے سلیٹی برتن (Painted grey ware) جو اب کافی مشہور ہو چکے ہیں۔ ملے ہیں وہاں اس طرح کا کوئی اوزار نہیں پایا گیا ہے۔ یہ مٹی کے برتن اب کافی مشہور ہو چکے ہیں۔ یہ برتن گنگا کے میدان کی قدیم ترین پختہ تہذیب کی نشان دہی کرتے ہیں اور ان کا عہد قبل مسیح پہلے ہزار سالہ قرن کا اولین نصف بتایا جاتا ہے۔ ان برتنوں کے ساتھ متذکرہ اوزاروں کا تعلق نہ ہونے کا بلا خطر یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ اوزاروں کے مجموعے قریب ۱۰۰۰ قبل مسیح سے پہلے کے ہیں۔ غالباً لگ بھگ ۱۷۰۰۔۱۰۰۰ قبل مسیح کی حدود ان کے عہد کے تعین کے لیے کافی وسیع ہیں۔ حدود وقت کی یہ وسعت زیادہ صحیح معلومات کا بھی تقاضا کرتی ہے۔

اوزاروں کے یہ مجموعے خود کیا بتاتے ہیں؟ زیادہ یا کم پھیلائے گئے پھلوں والے چپٹے کلہاڑے تہذیب سندھ کے ساتھ وابستہ کرنے والی واحد باقاعدہ کڑی ہیں یہ قسم تنی عام اور دور تک پھیلی ہوئی ہے کہ اس کی بنا پر یہ رائے، جو پیش کی گئی ہے قابل قبول نہیں کہ اوزاروں کے یہ مجموعے "سلطنت ہڑپہ کے ٹوٹنے اور مغرب سے تنے ہوئے وقت، پنجاب اور وادی سندھ سے آئے ہوئے بے گھر لوگوں" اور پناہ گزینوں کی گنگا کے تھالے میں آبادکاری کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ایک متبادل نظریہ
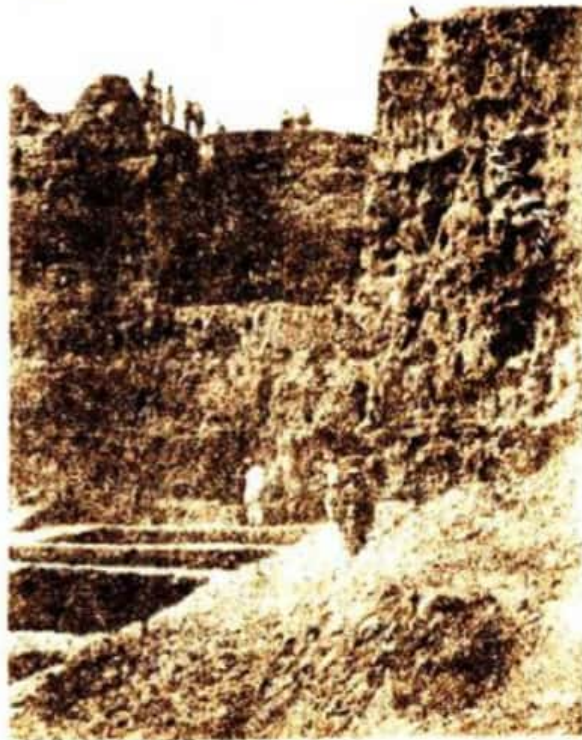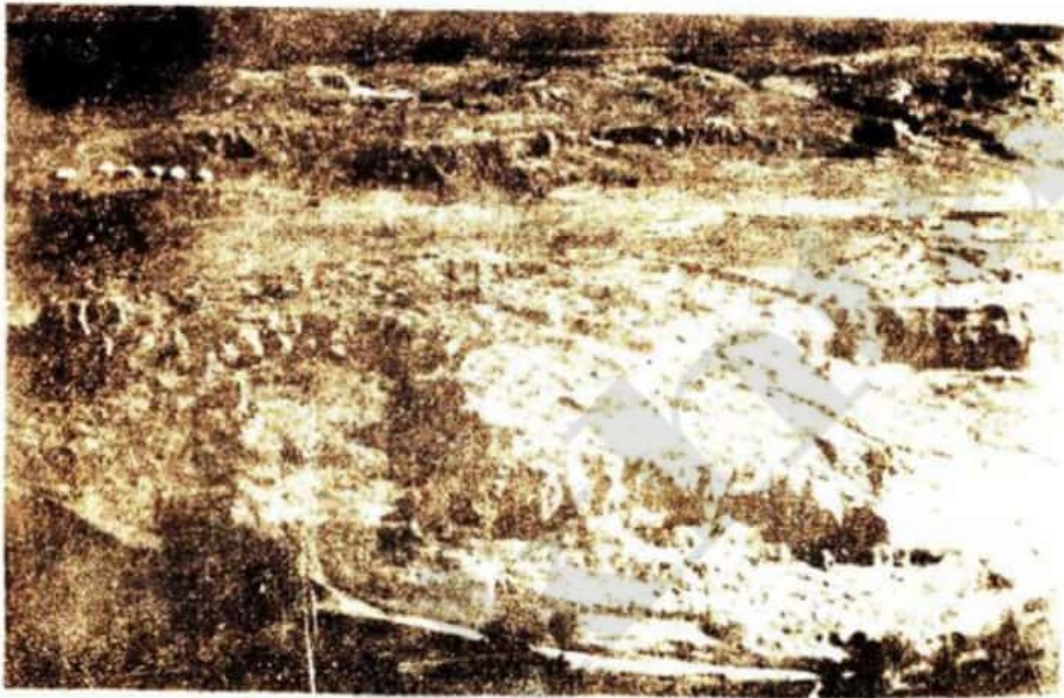
(تصویر ۱۱۱) چارسدہ کے بالاحصار کا یہ فوٹو ہوائی جہاز سے لیا گیا ہے اس میں اس کی موجودہ وسعت جو کوئی ۱۵ ایکڑ ہے دکھائی دیتی ہے ساتھ ہی پس منظر میں دوسرا ٹیلا نظر آتا ہے جو شہر کی توسیع کی نشان دہی کرتا ہے یہ توسیع ۳۲۷ قبل مسیح میں اس شہر پر سکندر اعظم کی فتح کے بعد وجود میں آئی۔ اس وقت اس کے چاروں طرف قلعہ بندی تھی۔ جس کے آثار سامنے دیکھیے۔

یہ ہے کہ " یہ مجموعے انڈو آریئوں کی نقل مکانی کے آثار ہو سکتے ہیں" اس نظریے کو بھی صحیح ثابت کرنا اتنا ہی مشکل ہے۔ یہ نہیں دکھایا جا سکتا کہ اس طرح کے اوزار ابتدا میں ہند سے باہر کہیں بنتے تھے یا وہاں سے لائے گئے ہیں اور بہرحال " انڈو آرین" اصطلاح زبان سے تعلق رکھتی ہے مادی تمدن سے نہیں۔

پھر بھی اوزاروں کے یہ مجموعے کچھ غمازی کرتے ہیں، کلہاڑے جو ایک فٹ تک لمبے اور پانچ چھ پاؤنڈ وزن کے ہیں، لکڑہارے کے بہت بڑھیا اوزار ہیں۔ مچھلی مارنے کے بھالوں کے کانٹے دار سرے، جن کی ساخت شاید سینگ یا ہڈی سے بنے نمونوں پر مبنی ہے، یہ ظاہر کرتے ہیں کہ پاس کے مچھلیوں سے بھرے ان دریاؤں جن کے نزدیک یہ پائے گئے ہیں، سے وسیع پیمانے پر خوراک حاصل کی جاتی تھی۔
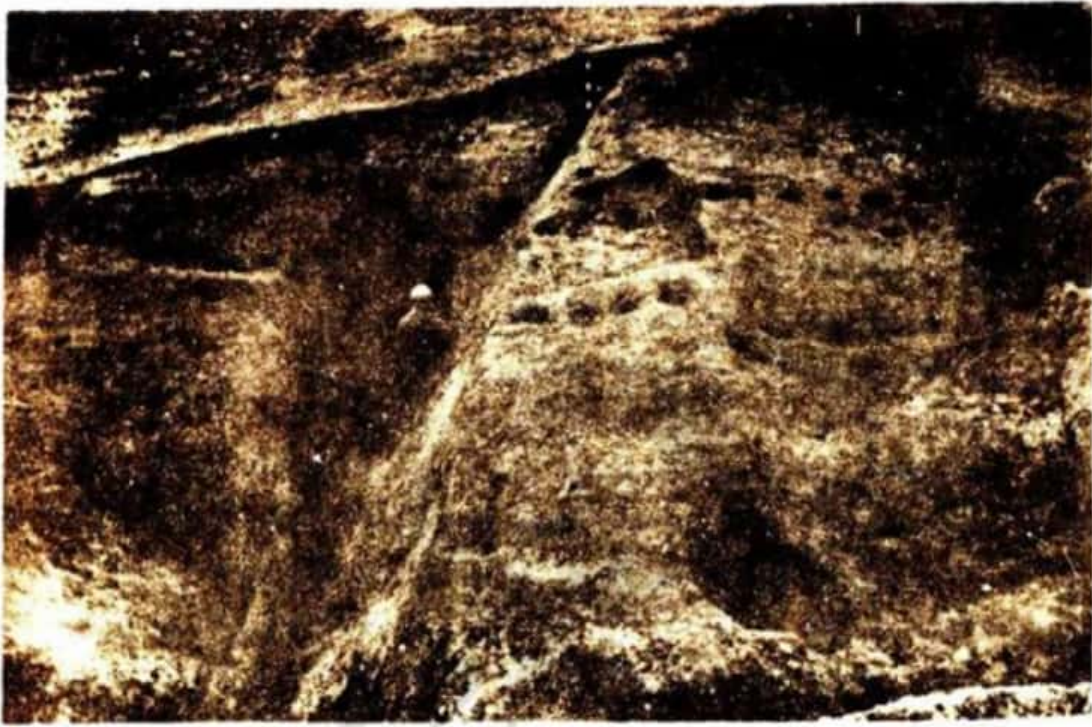
(تصویر ۱۱۲) ۳۲۷ قبل مسیح میں سکندر اعظم کی فوجوں کے خلاف چارسدہ میں جو تحفظاتی انتظامات تعمیر کیے گئے ان کی شناخت ۱۹۵۸ء میں کھدائی کرنے سے ہوئی۔ ایک خندق پائی گئی جس کے پیچھے مٹی کی فصیل تھی۔ اس فصیل کے باہر کچی اینٹوں کی دیوار چن دی گئی تھی۔ فصیل کے اندر جانے کے راستے پر لکڑی گاڑنے کے نشانات ملے ہیں۔

بنارس کے جنوب مغرب میں وادیٔ گنگا کے ضلع مرزا پور میں غاروں کے اندر نامعلوم عہد کی جو تصویریں پائی گئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گینڈے جیسے قوی جانوروں کا بھی شکار کیا جاتا تھا۔ صرف تلواروں سے، جو چار مقامات پر برآمد ہوئی ہیں زیادہ عسکری پہلو کی نشان دہی ہوتی ہے لیکن تلواروں کی اتنی کم تعداد شاید مکرر خطرات کی بجائے ان کے مالکوں کے عہدے کی علامت ہے۔ عام نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ اوزاروں کے یہ مجموعے نیم خانہ بدوش سماجوں کے تھے جو گھوم پھر کر خوراک اکٹھی کرتے تھے۔ وہ جنگل کے ٹکڑے صاف کر سکتے تھے اور شاید (اگرچہ اس کا ہمیں علم نہیں) کسی قسم کی باغبانی زراعت (Garden. agriculture) کے بھی اہل تھے مگر زیادہ تر شکار اور ماہی گیری سے ہی زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ

[illegible]

(تصویر ۱۱۴-۱۱۵) بائیں، قدیم تر شہر ٹیکسلا اول، یا بھیر ٹیلا کا (پانچویں سے دوسری صدی قبل مسیح) ہوائی جہاز سے لیا گیا فوٹوگراف، اس سے خوش اسلوبی سے کی گئی شہری منصوبہ بندی کی ان خصوصیات کی کوئی جھلک نہیں ملتی، جو اس سے بہت پرانے تہذیب سندھ کے شہروں اور بعد کے ہندی یونانی شہروں میں نمایاں تھیں۔ تصویر ۱۱۵، سامنے ٹیکسلا دوم (سرکاپ) کا عام نظارہ پیش کرتا ہے جہاں ایک صدی قبل مسیح اور پہلی صدی عیسوی کے دور کی باقاعدہ یونانی ترتیب واضح ہے (موازنہ بہ تصویر ۱۲۱)

قیاس قبائلی ہند کی کہیں زیادہ جدید تصویروں کے بہت مطابق ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ اوزاروں کے یہ ڈھیر عدم تحفظ اور اقتصادی عدم استحکام کی طرف اشارہ کرتا ہے جیسا کہ شمالی میدانوں میں (مفروضہ) ثانوی آریائی حملے کے وقت ہونے کا امکان ہے۔ آریوں کی ہر جگہ موجودگی کے تصور کی بنا پر ایک بار پھر (ہم یہ دیکھتے ہیں کہ) مادی شہادتوں سے وہ نتیجے اخذ کیے جا رہے ہیں جو حق بجانب نہیں ہیں۔ محتاط طور پر صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ تانبے کے یہ اوزار، جو اکثر خصوصی ساخت کے ہیں اور بڑی کاریگری سے ڈھالے یا کوٹے گئے تھے اور جو ۸۰۰ میل سے زیادہ کے جنگلی علاقے میں پھیلے تھے۔ خاص طرح کے ماہروں کی صناعی کے آئینہ دار ہیں۔ یہ کاریگر بڑی حد تک اسی پیشے سے گذر بسر کرتے تھے اور شاید (دنیا کے دیگر حصوں کی طرح) گھوم پھر کر روزی کماتے تھے۔ ان کی گردشی زندگی میں انہیں جن خطرات سے دوچار ہونا پڑتا ہوگا اور نتیجتہً کبھی کبھی اپنے پیشے کے متاع سے ہاتھ دھونا پڑتا ہوگا وہ لازمی طور پر اس دور کے کٹھن حالات میں گھوم پھر کر روزی کمانے والے عام

تاجروں یا کاریگروں کو انسانوں یا درندوں سے پیش آنے والے خطرات سے زیادہ سنگین نہیں تھے۔ یہاں بھی ان اکا دکا حادثات کو آریائی یلغار جیسے عالمی سانحوں سے وابستہ کرنا غیر ضروری ہے یا قبل از وقت۔

گنگا کی تہذیب

چنانچہ ہمیں گنگا کے میدانوں میں عہد سنگ کے بعد کے دور سے متعلق آثارِ قدیمہ کے مطالعے سے وابستہ اس ابتدائی واقعے کو یہیں چھوڑ دینے پر اکتفا کرنی ہوگی۔ لیکن اس کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اس موضوع کو ترک کر دیں جسے آریوں کی تلاش کا نام دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ تانبے کے اوزاروں کے یہ گمنام مجموعے حسبِ عہد کے تھے اس کے بعد۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کتنے عرصے کے بعد۔ اسی خطے میں بظاہر اچانک ایک ارتقا یافتہ اور وسیع شہری تمدن وجود میں آیا جسے "تہذیب" کے نام سے ممیز کیا جا سکتا ہے۔ اس کی ابتدا تاریخی یا علم آثارِ

تصویر ۱۱۶ تا ۱۳۰) ٹیکسلا (ٹیکشیلا)
سرکاپ) سے پائی گئی بہت سی
اشیا میں فارس والوں، یونانیوں
اور پارتھینیوں کا غیر ملکی تاثر عیاں ہے
تصویر ۱۲۱ ایک یونانی رومن چاندی
کی رکابی کے درمیان گول شبیہ جس
میں ڈایونی سیس کو دائیں ہاتھ میں
شراب کا اپنا پیالہ لیے دکھایا گیا ہے
تصویر ۱۱۷۔ پکائی ہوئی مٹی سے بنا
مجہول نوجوان کا سر ہے تصاویر ۱۱۸، ۱۱۹
میں فارسی (اکامینی) تاثر دکھائی دیتا ہے
جواہرات جن پر چھلانگ بھرتے ہوئے
ہرن، اور ایک ہرن پر حملہ کرتے ہوئے
شیر کی مانند اصل شبیہیں کندہ ہیں۔
تصویر ۱۲۰ چمڑوں والے سکوں کے
ساتھ ہی تیسری صدی قبل مسیح کے ابتدائی
دور سے متعلق بھیر ٹیلے سے برآمد ہوئے تھے۔
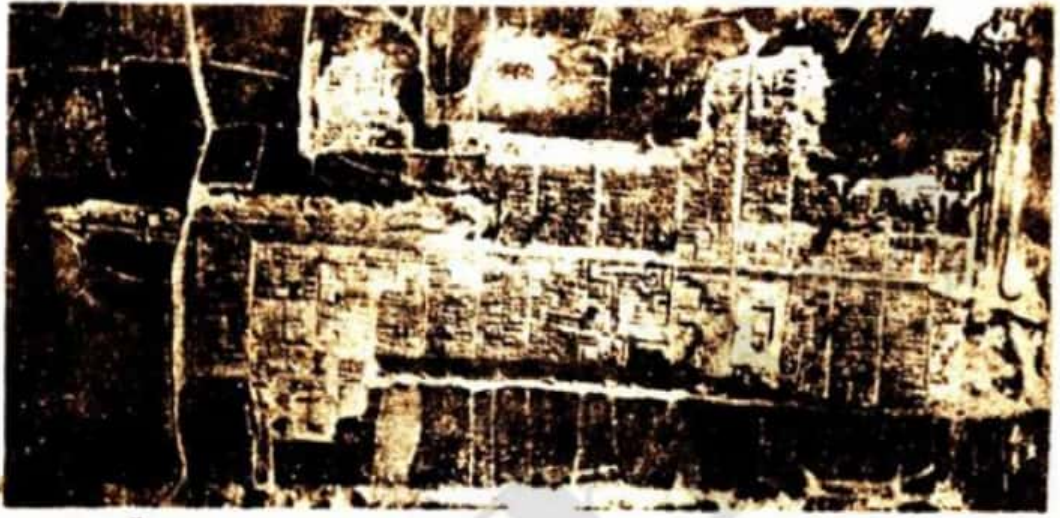
(تصویر ۱۱۳) ٹیکسلا اول بھیر ٹیلا سے آگے وادی کے دوسرے پار ٹیکسلا دوم (سرکاپ) کا نقشہ قطعی مختلف ہے (موازنہ بہ تصویر ۱۱۴) کھولیوں کے لیے بے ترتیب مجموعے کی بجائے یہ شہر پہلی صدی عیسوی میں شہر بخ کی ساخت جیسی ایک یونانی شطرنجی پلان پر بنایا گیا تھا۔ لیکن اس کی بنیادیں دو صدیاں پیشتر کے ہند یونانی شہر پر رکھی گئی تھیں جو اس کے نیچے دبا پڑا ہے۔

قدیمہ کے نقطۂ نظر سے، نامعلوم ہے۔ اگرچہ اس کا منبع خاصا آبرو دار ہونا چاہیے۔ اگر اوزاروں کے مجموعے آریائی نہیں تھے تو اس نئے اور ابھرتے ہوئے شہری تمدن کو یہ نام کیوں دیا جائے؟ اس نام کا دعویٰ واقعی کیا گیا ہے لیکن اس کے حق میں (یا خلاف) ذرہ بھر ثبوت موجود نہیں ہے۔ آئیے، مکمل طور سے اس بات کا اعتراف کر لیں کہ ایک مادی اور قابلِ شناخت عمل کے طور پر ابھی تک ہند میں کہیں بھی کسی "آریائی تمدن" کو الگ نہیں کیا جا سکا ہے اس کے بعد حقائق کی طرف چلیے۔

اپنے آپ میں یہ کافی دلچسپی کے حامل ہیں۔ یہاں تین مقامات کا ذکر کرنا یہ دکھانے کے لیے کافی ہوگا کہ مزید بہت سی جگہوں سے کس قسم کے آثار ملنے کی توقع ہے۔ بالائی وادیٔ گنگا میں ہستنا پور کے مقام پر احتیاط کے ساتھ کھدائی کرنے سے تمدنوں کے اس تسلسل کا ثبوت ملا ہے۔

یہ اس طرح سے ہے۔ قدیم ترین دور "عہد ایک" کی نشان دہی کرنے والی ایک پتلی تہ ہے جہاں سے بھدے اور زردی مائل) بھورے رنگ کی مٹی کے برتن ملے ہیں)۔ یہ ایسی قسم کے ہیں جیسے بیکانیر سے آگے مشرق کی طرف کئی مقامات پر پائے

اور دیکھے گئے ہیں اس کا ابھی تک عمارتوں سے کوئی تعلق نہیں جوڑا گیا ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ متذکرہ بالا تانبے کے اوزاروں کے مجموعوں سے ہو (اگرچہ ایسا ثابت نہیں ہوا ہے) قابلِ شناخت شکل میں شہری زندگی عہدِ دؤم سے یعنی پہلے ہزار سالہ قبل مسیح قرن کے اوّلین نصف میں ہی شروع ہوتی ہے یہاں گارے یا کچی اینٹوں کی دیواروں کے آثار ہیں۔ ان کا نقشہ معین نہیں ہوپایا ہے۔ اس عہد کے مٹی کے برتن سخت اور خصوصی نوعیت کے تھے جو سلیٹی رنگ سے رنگے ہوتے تھے اور ان پر کالے لکیر والے نمونے بنے ہوتے تھے۔ سلیٹی رنگ ہوئے برتنوں کے طور پر ان کا تفصیلی ذکر پہلے کیا جاچکا ہے اس قسم کے برتنوں کے ساتھ چھوٹے پھلوں والے اور دیگر نوعیت کے پتھر کے اوزاروں کا کوئی تعلق نہیں ہے لیکن تانبہ، تیروں کے سروں اور دوسرے ہتھیاروں اور اوزاروں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ کوہان والا سانڈ، بھینس، بھیڑ اور سُوَر پالتو بنائے جاچکے تھے اور جن اجناس کی کھیتی ہوتی تھی ان میں چاول بھی تھا، جو اب معروف ہوچکا تھا۔ مخلوط زراعت والے اس شہری تمدن کی تاریخ قریب ۱۰۰۰ یا ۸۰۰ سے ۵۰۰ قبل مسیح تک معلوم ہوتی ہے۔

ابھی یہ شناخت نہیں ہوسکی ہے کہ اس تمدن کی ابتدا کہاں سے ہوئی، لیکن رنگ کیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتنوں میں سے کچھ اتنے بڑھیا ہیں کہ ایک پختہ روایت کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان برتنوں کا تعلق، ایسی کڑیوں کے ذریعے جن کی ابھی تک دریافت نہیں ہوئی ہے، بلوچستان میں شاہی ٹمپ کے ثانوی مدفنوں میں سے پائے گئے پیالوں سے ہو، مگر اس وقت یہ محض قیاس آرائی ہی ہے۔

ہستنا پور کا "عہدِ تین" لوہے کے مکمل استعمال کا زمانہ کہا جاسکتا ہے شاید اسی عہد میں سکّے کے چلن کی ابتدا ہوئی جو ہند میں پہلے پہل فارس کے پیمانے پر بنایا گیا اور لوہے کی آمد کے تھوڑے ہی عرصے بعد دوآب میں سخت اور خصوصی ڈھنگ کے چمکیلے کالے مٹی کے برتن بننے لگے۔ انہیں شمالی سیاہ پالش والے برتن (NonThem Black Polished were) کہا جاتا ہے۔ شاید ان مٹی کے برتنوں کو آبدار لوہے جیسا دکھانا مقصود تھا۔ اس ڈھنگ کے برتنوں کا رواج شروع ہونے کے جلد بعد رنگ کیے ہوئے سلیٹی برتنوں کا استعمال بند ہوگیا۔ اب عمارتوں میں کچی اینٹوں کے علاوہ پختہ اینٹیں

(تصویر ۱۲۲) ۱۹۵۸ء میں ہوائی فوٹو گراف سے شیخان ڈھیری کے منظم پلان کا انکشاف ہوا، یہ چارسدہ کے بالا حصار سے آدھ میل دور ہے۔ اس ہوائی فوٹو سے نظر آنے والے پلان آسیبی ہے۔ اس کے خطوط دراصل دیواروں کے نہیں بلکہ ان کھائیوں کے ہیں جہاں سے دیہاتیوں نے دیواروں کی پختہ اینٹیں نکال لی تھیں۔ بعد میں کھدائی سے اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ شہر کے پلان کا دوسری صدی قبل مسیح میں ہندی یونانیوں نے تعین کیا تھا

بھی استعمال کی جانے لگیں۔ ساتھ ہی گندہ پانی جمع کر کے سکھانے کے ایسے گڑھے بننے لگے جن کے اوپر چھلنی دار پیندوں والے مرتبان یا پکائی ہوئی مٹی کے چکر (rings) سے جڑے ہوئے تھے۔

یہیں سے برصغیر کی شہری زندگی میں اس طرح کے سامان کے استعمال کے طویل سلسلے کا آغاز ہوا، یہ دور لگ بھگ ۵۰۰-۲۰۰ یا ۱۵۰ قبل مسیح کا ہوگا اگلا دور، عہد پیارہ؟ شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتنوں سے عاری تھا اس میں متھرا کے حکمرانوں کے سکے وجود میں آئے جو دوسری صدی قبل مسیح کے مانے جاتے ہیں۔

ان شہادتوں کی بنا پر (کہا جا سکتا ہے کہ) دوآب میں شہری زندگی کا آغاز قریب ...۱ قبلِ مسیح میں ہوا اور تب سے وہاں یہ مسلسل قایم رہی ہے۔ مال اور ضاعی کی تبدیلیاں احساسِ شہریت اور شہری خوشحالی کے عام تسلسل کے ماتحت رہی ہیں۔ اس زمانے میں اس عظیم میدانی خطے کو وسیع جنگلات نے ڈھانپ رکھا تھا۔ دریاؤں کے نزدیک علاقوں میں ان جنگلات کو صاف کر کے زرخیز زمین نکالی گئی تھیں۔ انہی پر وہ شہر اور قصبے

آباد تھے جو ہند کی رزمیہ اور بہادرانہ داستانوں کا پس منظر ہے مثلاً خود ہستناپور جو مہا بھارت کے کوروراجاؤں کی راجدھانی تھی یا اتر پردیش میں رام نگر کے پاس واقع 'رہی چھترا' جس کا ذکر بھی مہابھارت میں شمالی پانچال کی راجدھانی کے طور پر آتا ہے۔

رہی چھترا کی فصیل اب بھی میدان سے بہت پُرشکوہ بلندی تک اٹھی ہوئی ہے اور ساڑھے تین میل کے گھیرے میں ہے وہاں کچھ سرسری کھدائی سے ہستناپور سے ملتے جلتے آثار برآمد ہوئے ہیں اب (۱۹۶۵ء میں) مزید کھدائی کرکے اس کی جانچ پڑتال کی جارہی ہے۔ مٹی کی یہ فصیل بنیادی طور پر دو مسلسل عہدوں کی ہے اس کے اوپر پکی اینٹوں کی دیوار ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مٹی کی پہلی فصیل میں اور اس کے نیچے رنگ کیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتن ملے ہیں۔ اس لیے یہ فصیل ۵۰۰ قبل مسیح کے زیادہ بعد کی نہیں ہونی چاہئے ہوسکتا ہے اس سے کافی پہلے کی ہو۔ ہستناپور کی طرح یہاں بھی اس عہد کے بعد کے شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتنوں کے زمانے میں سکوں کا چلن ہونے لگا تھا یہ زمانہ پانچویں اور دوسری صدی قبل مسیح کے بیچ کا ہے۔

یہ قصبہ آٹھ یا نو مرتبہ باربار تعمیر ہوا اور تب تک وجود میں رہا، جب ۱۱۰۰ عیسوی میں اس کے اوپر بدایوں بن گیا خاصے بڑے پیمانے پر اس مقام کی کھدائی ہونے سے سودمند نتائج برآمد ہوں گے۔

ایسی ہی پُرشکوہ جگہ کوشا ہی ہے جو الہ آباد سے ۳۰ میل دُور جمنا کے کنارے واقع ہے۔ درحقیقت یہ ہند میں سب سے عظیم مقامات میں سے ہے، قدیم ترین حفاظتی انتظامات کے آثار کوئی چار میل کے گھیرے میں ہیں اور چالیس فٹ سے زیادہ اونچے ہیں۔ یہ شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتنوں کے عہد کی ابتدا سے کچھ ہی پیشتر کے ہیں۔ شاید ۵۰۰ قبل مسیح سے کچھ پہلے کے ہوں گے۔ یہ تحفظاتی انتظامات ایک مٹی کے پشتے پر مشتمل ہیں۔ جس کے باہر کی طرف پختہ اینٹیں جمادی گئی ہیں، یہ پختہ دیوار اب ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہے۔ مشرقی دروازے کے قریب ابھی تک یہ ۱۵۴ ردوں کی اونچائی تک موجود ہے۔ زیریں حصے میں یہ دیوار خطرناک حد تک باہر کو پھول گئی تھی چنانچہ دباؤ کو کم کرنے کے لیے اس میں کھڈے کردیئے گئے تھے جو بہت صفائی کے ساتھ نہیں بنائے گئے تھے بعد میں ایک سے زیادہ مرتبہ یہ نئے سرے

تصویر ۱۲۳ تا ۱۲۰) سکندر اعظم کی موت کے بعد ہی اس کی معقول حد تک صحیح شبیہہ سکوں پر آئی (تصویر ۱۲۱) ڈیکا ڈرام یا دس ڈرام کا یہ سکہ (تصاویر ۱۲۴ ، ۱۲۵) نہایت ہی کمیاب ہے یہ پنجاب میں راجہ پورس پر سکندر کی فتح کی یادگار کے طور پر بابل میں بنایا گیا تھا ۔ دوسرے رُخ پر ہوا میں اڑتی ہوئی فتح کی دیوی نائیک ایستادہ سکندر کو تاج پہنا رہی ہے ۔ مشرق میں سکندر کا وارث سیلوکس چار ڈرام کے ایک سکے (تصویر ۱۲۶) پر دکھایا گیا ہے اور تصویر ۱۲۷ میں ہند یونانی راجہ میناندر ہے جو دوسری صدی قبل مسیح میں چارسدہ کا حکمراں تھا۔

سے بنائی گئی لیکن اس اہم تعمیر کے بارے میں پوری معلومات ابھی تک علم میں نہیں ہیں حفاظتی انتظامات کے اندر اینٹوں کے بہت اچھی طرح بنائے گئے مکانات تھے اور گھوشتارام نام کا مشہور بودھ مٹھ تھا۔ اس مٹھ کا قدیم ترین عہد بدھ کی موت (پانچویں صدی قبل مسیح) والی صدی ہی مانا گیا ہے لیکن ہوسکتا ہے یہ اس کے کچھ بعد کے زمانے میں وجود میں آیا ہو۔

دوسرے مقامات بھی لگ بھگ انہی عہدوں کے ہیں ۔ بہار کے مظفر پور ضلع میں واقع ویشالی لچھولیوں کی راجدھانی تھی۔ بدھ اسی قبیلے یا خطے کے تھے۔ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حال کی کھدائی سے وہ ستُوپ ملا ہے جو پانچویں صدی میں بدھ کی موت کے فوراً بعد ان کی استھیوں کے ایک حصے کو رکھنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ ویشالی شہر خود چھٹی سدی قبل مسیح یا اس سے پہلے کا ہوگا۔ بنارس یا وارانسی میں راج گھاٹ پر نئی کھدائی سے بھی ظاہر ہوا ہے کہ یہ شہر کم ازکم قریب ۵۰۰ قبل مسیح کا ہے۔ بلا شبہ، اس کا کچھ حصہ اور بھی قدیم ہے۔ یہاں وسیع تر کھدائی اس وجہ سے نہیں ہو سکتی ہے کہ بہت بڑی آبادی والا موجودہ شہر اپنے سے قدیم شہروں کے اوپر بسا ہوا ہے۔ اس

کی اونچی سطح کی بھی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے نیچے قدیم مسمار شدہ شہروں کی تہیں ہیں۔

مختصر یہ کہ جیسے جیسے برس بیت رہے ہیں نئی نئی شہادتیں آ رہی ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ قبل مسیح پہلے ہزار سالہ قرن کے دوسرے چوتھائی حصہ تک شمالی میدانوں میں عظیم شہری زندگی کا ارتقا ہونے لگا تھا۔

باب پنجم

شمال مغربی سرحد

اہلِ فارس اور یونان

یہاں سے ہم بدھ کے عہد (قریب ۵۰۰ قبل مسیح) میں اور ہندستان کی تاریخ (اس لفظ کے واضح معنی ہیں) کی دہلیز پر پہونچتے ہیں۔ اس نئے دور کے وسیع تر، مگر کچھ حد تک سہل تر، مسائل کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب ہوگا کہ برّصغیر کے شمال مغربی سرحد پر دوبارہ تھوڑی توجہ دی جائے اور ان واقعات پر مختصر سی نظر ڈال لی جائے جو اس طوفانی خطے کے تمدنوں کی نئے سرے سے تشکیل کرتے رہے اور جن کا

▷ (تصویر ۱۲۸-۱۲۹) پرانے راج گیر کے تحفظات کہیں کہیں وقفوں کو چھوڑ کر ۲۵ میل تک جاتے ہیں۔ سامنے کی تصویر شہر کی دیوار کی تفصیل دکھاتی ہے دائیں طرف دکھائے گئے دیوار کے ایک بیرونی حصے سے ظاہر ہوتا ہے کیسے قلعہ بندی کی برجیاں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔
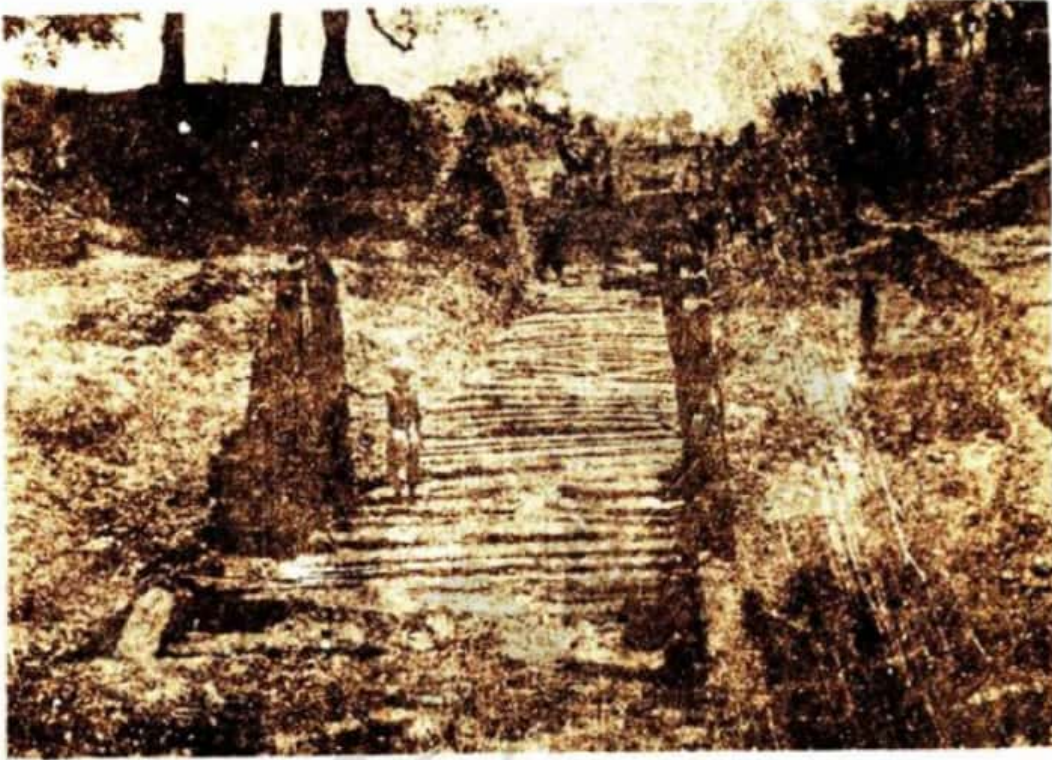
ایک یا دوسرے پہلو سے برصغیر کے خاصے حصے پر کافی اثر پڑا۔ شمال اور شمال مغرب کے پہاڑوں میں سے ہند میں داخل ہونے کے بہت سے قدرتی راستے ہیں لیکن سوائے اسلام کی آمد کے، جو خاص طور سے سمندر کے ذریعے ہوئی، تاریخی لحاظ سے سب سے اہم راستہ ہمیشہ دریائے کابل کی وادی والی جزوی گذرگاہ یا قریبی درۂ خیبر رہا ہے۔

قبلِ مسیح چھٹی صدی کے بعد کے حصے میں سلطنت فارس، غالباً کورش اعظم (Cyrus the great) (۵۵۸-۵۳۰ قبل مسیح) کی زیر قیادت، ہندوکش میں سے ہوتی ہوئی پشاور تک پھیلی تھی جیسے دارا اول (ڈیڈیس) نے مغربی فارس میں بہتوں کے چٹانی نوشتے پر گادرا یا گندھارا کے نام سے اپنے مشرقی صوبہ جات کی فہرست میں شامل کیا تھا۔ یہ نوشتہ قبل مسیح ۵۱۸ کے قریب کا ہے۔ بعد ازاں دارا کی فارسی یا ہخامنشی (Achaemenid) سلطنت کی وسعت دریائے سندھ کے نواحی علاقوں تک پھیل گئی تھی۔

"چنانچہ "انڈیا" (اس محدود مفہوم میں) اصطخر (Persepolis) اور نقشِ رستم کے مقامات پر کندہ نوشتوں میں شامل ہے۔ دارا موخرالذکر مقام پر قبل مسیح ۴۸۶ء میں

(تصویر ۱۳۰) پاٹلی پتر کے تحفظات لکڑی کے جنگلے، میناروں اور ۲۰۰ گز چوڑی خندق پر مشتمل تھے

(تصویر ۱۳۱) تیسری صدی قبل مسیح کے ایک موریائی ستون کا اوپر کا حصہ جو ۱۸۹۶ء میں پاٹلی پتر میں پایا گیا۔ دونوں طرف سجاوٹ کے نمونے اور درمیان میں کھجور کے پتوں کے ڈیزائن نمایاں طور پر فارس کے تاثر کی نشان دہی کرتے ہیں

دفنایا گیا تھا۔ ہیروڈوٹس نے تھوڑے عرصہ بعد "انڈیا" کو سلطنتِ فارس کا سب سے آخری اور خوشحال صوبہ بیان کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ ان واقعات سے پہلے ہی برصغیر، افغانستان اور ایران کے بیچ ان فارسی صوبوں میں گزرتا ہوا ایک مسلمہ تجارتی راستہ ہو۔ یہ راستہ پشاور کے میدان کے درمیان اور اٹک کے اوپر دریائے سندھ کے آر پار جاتا ہوگا۔ بہرحال اب فارس کے شہنشاہ کے زیر سایہ اور ترقی پذیر شاہی سلسلۂ تجارت کے محرک کے زیر اثر اسی خط کے ساتھ ساتھ ایک شاہراہ قایم ہو چکی تھی۔ شاہراہ کے ساتھ ساتھ صوبائی راجدھانیوں کے درجے کے قصبے یا شہر بننے اور بڑھنے لگے۔ یہ یا تو نئی بنیادوں پر تعمیر ہو رہے تھے یا پہلے سے آباد بستیوں کی توسیع ہو رہی تھی۔ ان شاہراہی راجدھانیوں میں سے دو کے متعلق کھدائی سے کچھ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ پشاور کے شمال مشرق میں چارسدہ اور راولپنڈی کے شمال مغرب میں ٹیکسلا۔ ان دونوں مقامات پر وسیع علاقوں میں ٹیلے پھیلے ہوئے ہیں جن کے درمیان میں خالی جگہیں ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصبے کو وقتاً فوقتاً بدلتے ہوئے شاہی خاندانوں کی مرضی یا

رواجوں کے مطابق نئی جگہ پر لے جایا جاتا تھا (اس مشرقی عادت کی سب سے بڑی مثال دتی ہے جو گذشتہ ایک ہزار برسوں میں کم از کم آٹھ بار جگہ بدل چکا ہے ---) چارسدہ میں گندھارا کی قدیم راجدھانی پشکلاوتی یا پیوکے لاوٹس (کمل کا شہر) تھی اس مقام کا سب سے بلند ٹیلہ یا بالا حصار ۶۵ فٹ اونچے جماؤ سے بنا ہے یہ کوئی پندرہ ایکڑ میں پھیلا تھا اور کابل اور سوات دریاؤں کے سنگم کے قریب واقع تھا اب تک علم میں آنے والی یہ شہر کی سب سے پرانی جگہ ہے۔ یہی وہ راجدھانی تھی جس کا سکندر کی فوجوں کے ایک حصے نے ۳۲۷ قبل مسیح محاصرہ کیا تھا۔

تاریخ میں یہ بات درج ہے کہ ایک معتبر جرنیل کی کمان میں لڑنے والے ان تجربہ کار فوجیوں کو اس مقام پر قبضہ کرنے میں ایک مہینہ لگا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جگہ یقیناً قلعہ بند ہوگی۔ درحقیقت ۱۹۵۸ء میں کھدائی کرنے سے اس قلعہ بندی کا ایک حصہ شناخت بھی کیا گیا ہے۔ اس میں ایک خندق اور مٹی کی فصیل شامل تھی جبکہ باہر کی طرف کچی اینٹوں کی دیوار تھی۔

بعدازاں انڈویونانی حکمرانوں کے ماتحت جنہوں نے بیکٹریا سے نکالے جانے کے بعد دوسری صدی قبل مسیح میں سرحدی علاقے اور پنجاب پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ قبضہ تین فرلانگ شمال مشرق کی طرف لے جایا گیا تھا۔ وہاں یہ شطرنج کی بساط جیسے نقشے کے مطابق آباد کیا گیا۔ بلاشبہ یہ پلان نیم یونانی بیکٹریا کو مغربی یونانی وراثت سے ملا تھا موجودہ شیخان دھیری نام کی جگہ پر اس منظم شہری پلان کے عناصر کا ۱۹۵۸ء میں فضائی فوٹوگرافی سے بڑے ڈرامائی انداز سے انکشاف ہوا۔ اس کے بعد کھدائی سے ان کی تصدیق ہوچکی ہے۔ اس میں سیدھی سڑکیں ہیں جو ایک دوسرے سے چالیس گز دور ہیں اور جو قابلِ شناخت مکانوں کے خاکوں کے گرد چوکھٹوں کی طرح ہیں۔ ایک مندر کا چوگردا بھی ہے جو اس جگہ کے خصوصی درجے کی وجہ سے زیادہ وسیع (۵۰ گز) ہے۔ پلان کی عام مغربی نوعیت اور اس میں مشرقی خصوصیتوں کی شمولیت نمایاں ہے

سندھ کے دوسری پار پشکلاوتی سے ۱۲۵ میل دور، کاروانوں کے راستے پر واقع ان شہروں میں سے دوسرا شہر ٹیکسلا ہے۔

پشکلاوتی کی طرح یہ بھی ایک مقامی ریاست کی راجدھانی تھی اور غالباً سلطنت

(تصویر ۱۳۲۔۱۳۳) ہندوستانی فن تعمیر میں ستون کے اوپر کے حصے کا گھنٹی یا الٹے کمل جیسا نمونہ فارس کے تاثر کا نتیجہ ہے۔ شاید اس کی سب سے مشہور مثال سارناتھ کا شیروں والا ستون ہے دیکھیے بائیں' یہ اشوک نے قریب ۲۵۰ قبل مسیح میں نصب کروایا اور اب یہ جمہوریہ ہند کا سرکاری نشان ہے۔ اشوک کے انداز کے گھنٹی کی شکل والے ستون کے بالائی حصے کی ایک اور مثال کارلی میں واقع چٹان کو کاٹ کر بنائے گئے کارلی کے بودھ چیتیہ میں ہے۔ دائیں طرف دکھایا گیا یہ ستون زیادہ تر ہندوستانی ڈھنگ کا ہے اور دو صدیاں بعد کا ہے۔

فارس کے اندر اسے محدود آزادی حاصل تھی۔ اس شہر کی قدیم ترین جگہ بھیر ٹیلے کے نام سے مشہور رہے۔ اس کی اتنی کافی کھدائی ہو چکی ہے کہ اس کا بے ڈھنگا پن صاف ظاہر ہے، یہ روڑے پتھروں کی بھدی چنائی کا بے ترتیب مجموعہ تھا جو پتائی کے پلستر سے بھی مشکل سے ہی چھپ سکتے ہوں گے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں کے راجہ نے ۳۲۶ قبل مسیح میں منکسرانہ مہماں نوازی کے ساتھ فاتح سکندر کا استقبال کیا تھا۔ (اس بات کے پیش نظر) اس معتبر تاریخی روایت سے (جو سٹرابو کی معرفت ملی ہے) کہ مقامی برہمن تپسیولیوں نے مغربی حملہ آور سے کم از کم فلسفیانہ بحث میں ہار نہیں مانی تھی، کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی۔

لیکن ایک چھوٹی سی وادی تمرا نالہ کے پار ٹیکسلا دوم کے وسیع کھنڈرات ہیں۔

(تصویر ۱۲۴) ستون کا یہ بالائی حصہ بنیادی طور پر فارسی انداز کا ہے لیکن اس کے دونوں طرف خالص ہندوستانی نمونے بنے ہیں غالباً تیسری اور دوسری صدی قبل مسیح کے درمیان کس عہد کا ہے ۔ سارناتھ سے۔

اس مقام کو عام طور پر سرکاپ کہا جاتا ہے۔ یہاں کوئی خصوصی نوعیت متعین کیے بغیر شطرنج کی بساط جیسے ایک اور شہر کے آثار کا مشاہدہ کر لینا ہی کافی ہوگا جس کا آغاز بظاہر پارتھیائی (پہلی صدی قبل مسیح) پہلے مگر قیاساً اس کا مستطیلی پلان ایک انڈو ایرانی شہر (دوسری پہلی صدی قبل مسیح) سے آیا ہے۔ اس بات کا علم ہو چکا ہے کہ یہ پلان شہر کے ایک حصے کے نیچے ہے۔ پارتھیائی صدر سڑک کا ایک بڑا حصہ صاف ہو چکا ہے۔ اسکی چوڑائی ۷ سے ۱۰ گز تک ہے۔ یہ شمالی دروازے سے سیدھی جنوب کو جاتی ہے اور ایک باقاعدہ منصوبے کے مطابق ۳۵ سے ۴۵ گز کے فاصلوں پر چھوٹی سڑکیں اسے عموداً کاٹتی ہیں۔ صدر سڑک کے دونوں طرف کی اکثر عمارتیں چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں جو کسی جدید بازار کی طرح سڑک کی سطح سے تھوڑی اونچی اٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے بہت سے بنے ہوئے مکان تھے ان میں سے کچھ آنگنوں کے گرد بنے تھے۔ بڑی سڑک سے جن اور عمارتوں تک پہونچنے کا راستہ تھا، ان میں ایک بڑا مندر اور آدھی درجن چھوٹے بودھ یا جین ستوپ تھے ان کی سجاوٹ میں یونانی، رومن اور ہندستانی نمونوں کا اختلاط تھا۔

(تصویر ۱۳) بہار میں گیا کے نزدیک پہاڑیوں میں لوماشی گپھا کا دروازہ - یہ گپھا والی عمارت تقریب ۲۵۰ قبل مسیح میں اشوک کے دور حکومت میں چٹان کاٹ کر بنائی گئیں - یہ ہندوستان میں اپنی قسم کی قدیم ترین مثال ہے -

اس طرح وقت کا تسلسل ٹیکسلا (بھیرٹیلا، سرکاپ) اور پشکلاوتی (بالاحصار شیخان ڈھیری) میں ایک جیسا ہے یہ یاد دلانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ رامائن میں، جو بہرکیف ایک بہادرانہ قصّہ ہے تاریخ نہیں، کہا گیا ہے کہ ٹیکسلا اور شکلاوتی کی بنیادیں ایک ہی عہد میں بھرت کے دو بیٹوں نے رکھی تھیں -

یکے بعد دیگرے وجود میں آنے والے ان شہروں کی مزید تفصیلات پر غور کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے - لیکن ان سارے پیچیدہ واقعات - فارسی اور یونانی، میں جن کی یہ نشان دہی کرتے ہیں، وسیع تر دلچسپی کی کئی باتیں ہیں - موجودہ علم کے مطابق چارسدہ کے بالاحصار اور ٹیکسلا کے بھیر ٹیلے میں شروع ہی سے لوہے کا استعمال کیا جاتا تھا - دونوں مقامات کے بارے میں یہ فرض کیا جانا چاہیے کہ وہ فارس والوں کی فتح، یعنی قریب ۵۴۰، ۵۰۰ قبل مسیح کے وقت سے عظیم بین الاقوامی شاہراہ پر آنے جانے والے کاروانوں کے لیے اہم شہر تھے - شاہراہوں کے اس سلسلے کی کارکردگی کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے حاکمانہ مرکز واقع ہوں گے جن کی نمائندگی یہ کرتے

ہیں۔ چنانچہ اس سرحدی علاقے میں چھٹی صدی قبل مسیح کے بعد کے حصے میں یا اس سے بھی پہلے لوہے کا استعمال ہونے لگا تھا۔

یہاں جدید دلچسپی کا ایک نکتہ نکلتا ہے۔ اس وقت یہ مسلمہ زیر بحث ہے کہ برصغیر ہند میں لوہے کا استعمال سب سے پہلے کب شروع ہوا۔ کوئی نئی شہادت جس سے یہ مسئلہ آخری طور پر حل ہو سکے، ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک یہ فرض کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی کہ چھٹی صدی قبل مسیح کے بعد کے حصے میں شمال مغربی سرحدی علاقے کا سلطنت فارس میں الحاق جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، ہونے سے پہلے اس علاقے میں لوہے کا عام استعمال ہوتا تھا۔ یہ درست ہے کہ قبل مسیح دوسرے ہزار سالہ قرن کے اختتام یا پہلے ہزار سالہ قرن کے آغاز تک فارس میں لوہے کا عام علم ہو چکا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ پہلے ہزار سالہ قرن کے اوّلین نصف حصے میں بلوچستان کے سرحدی خطوں میں کہیں کہیں نچلے درجے کے مگر قابل رسائی تمدنوں تک یہ دھات پہونچ چکی ہو۔ لیکن اس وقت بھی جب اس کا علم کافی وسیع ہوگا۔ اس کا استعمال کچھ تھوڑی سی جگہوں پر اور محدود طور پر ہی ہوتا ہوگا۔ یہ بات تحریری طور پر مصدقہ ہے کہ پانچویں صدی قبل مسیح کے اوّلین نصف میں بھی مشرقی ایران کے طاقتور (Massagetae) لوگ اس سے بے بہرہ تھے۔ ہندوستانیوں کے لوہے کے استعمال کے متعلق قدیم ترین تحریری شہادتیں اس صدی میں ہیروڈوٹس اور کیتیاس کے مشہور تذکرے ہیں۔ اب سے کچھ ہی پہلے تک برصغیر میں لوہے کے عام استعمال کے بارے میں آثار قدیمہ سے متعلق قدیم ترین پختہ شہادت

(تصویر ۱۳۶) تیسری صدی قبل مسیح کی ایک اہم انتظامی دستاویز۔ چونے کے پتھر کی یہ پٹری جس پر عبارت کندہ ہے، مشرقی بنگال میں مہاستان میں پائی گئی ہے اس میں وہ اقدام درج ہیں جو مقامی افسران نے ایک قحط کا مقابلہ کرنے کے لیے محفوظ ذخیروں میں سے دھان (چاول) بانٹنے کے لیے ہے۔

قدیم ٹیکسلا (بھیر ٹیلا) سے ہی حاصل ہوئی تھی۔ اس کا وقت شروع میں سر جان مارشل نے قریب ۵۰۰ قبل مسیح تعین کیا تھا۔ (اور) اس میں کوئی اہم تبدیلی ہونا اغلب نہیں ہے۔

اب خبر ملی ہے کہ مزید جنوب کی طرف اتر پردیش کے ایٹہ ضلع میں اترانجی کھیڑہ کے مقام پر ایک ٹیلے میں سے پروفیسر نور الحسن اور آر۔ سی۔ گوڑ نے رنگ لیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتن اور کچھ خاص حیوانی یا نباتاتی آثار کے ساتھ لوہا پایا ہے۔ ان کی بمبئی کی ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف فنڈ مینٹل ریسرچ میں ریڈیو کاربن تجزیوں سے ۱۱۰۰ یا ۱۰۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ تاریخ تعین ہوئی ہے۔ اس سارے معاملے کے بڑے دھیان کے ساتھ تصدیق ہونی چاہیئے لیکن دریں اثنا یہ امکان تصور کیا جا سکتا ہے کہ شاید ہند کے ایک حصے میں قریب اسی عہد میں لوہے کا کام ہونے لگا ہو جب فارس میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ رنگ کیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتنوں کی قدیم تاریخ کا تعین ہونا بھی قابلِ توجہ ہے۔ اب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی میدانوں میں قدیم ترین تہذیب ۱۰۰۰ قبل مسیح سے کچھ پیشتر یا بعد وہاں لوہے کا استعمال شروع ہونے کے وقت موجود تھی اور بلا شبہ اس سے اسے فروغ ملا اور اسی وقت ساتھ میں خصوصی انداز کے مٹی کے برتنوں کا بھی چلن تھا۔

لیکن لوہے کے استعمال کا آغاز فارس میں ہونا ثابت ہو سکے یا نہیں اس بارے میں شبہ کی بہت کم گنجایش ہے کہ سکے کے چلن کا خیال ہند میں فارس سے ہی آیا تھا۔ عہد فارس سے پہلے کا کوئی ہندوستانی سکہ نہیں ہے۔ دوسری طرف ۵۰۰ قبل مسیح کے بعد کی صدیوں میں شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتنوں کے ساتھ کئی طرح کے سکے عام تھے۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ تجارت برابر بڑھ رہی تھی اور زیادہ منظم ہو رہی تھی۔ یہ ممکن ہے کہ یہ اس تاثر کا نتیجہ تھا جو فارس کے طریقوں اور تنظیم سے پڑا۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی ہوگی کہ اس عہد میں ہند کے میدانوں میں شہری زندگی کا قیام نہیں بلکہ توسیع ہوئی تھی۔ جہاں تک موجودہ شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے رنگ کیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتنوں والے قریب ۱۰۰۰ تا ۵۰۰ قبل مسیح کے عہد کے شہر، جن میں سکے کا چلن نہیں تھا، سکے والے ان شہروں سے بہت کمتر معیارِ زندگی کے حامل نہیں تھے جو ۵۰۰ قبل مسیح کے بعد شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتن استعمال کرتے تھے۔ یہ درست ہے کہ اب تک [illegible] اور [illegible] کی تعمیر میں پختہ اینٹوں
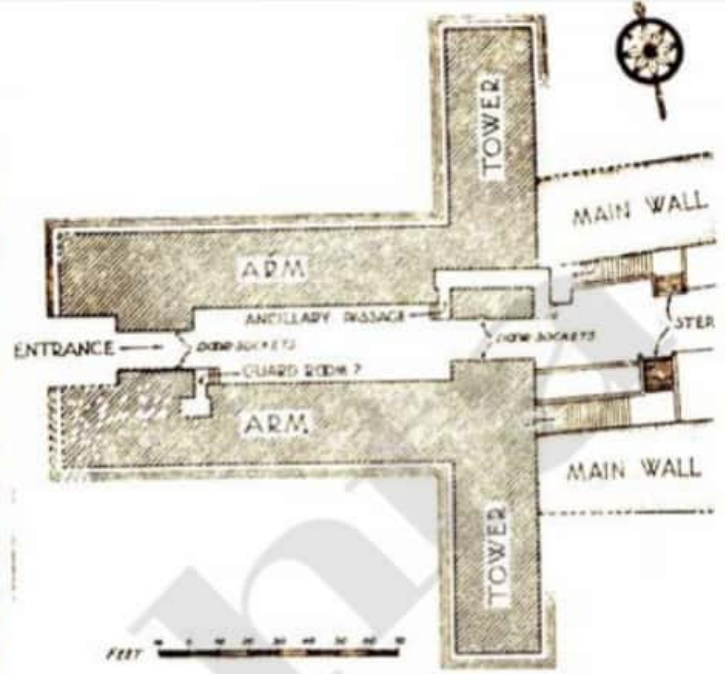
(تصویر ۱۳۷ تا ۱۳۹) بائیں، ہوائی فوٹو گراف سے معلوم ہوتا ہے کہ ششو پال گڈھ کا پلان نہایت منظم ترتیب کا تھا۔ دیوار میں معین وقفوں پر آٹھ صدر دروازے تھے (تصاویر ۱۳۸ - ۱۳۹) ان کے ڈیزائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی فوجی اہلیت کے ذہن نے اس مسئلے پر غور کیا اور تعمیر کے لیے کافی وسائل دستیاب تھے غالباً یہ مقام قریب ۲۶۰ قبل مسیح کا اشوک کے عہد کا ہے۔

کا کھل کر استعمال ہوتا تھا اور ہر جگہ پکائی مٹی کے بنے گندہ پانی جمع کر کے سکھانے کے کارآمد کنویں یا گڑھے تھے لیکن یہ سب چیزیں بظاہر اصلاح کی نشان دہی کرتی ہیں، انقلاب کی نہیں۔

تب ۳۲۷ قبل مسیح میں سکندرِ اعظم کی آمد ہوئی، وسطی ایشیا میں اسکی مداخلت صرف چند مہینوں کا واقعہ تھا لیکن اس کے سیاسی اور تمدّنی نتائج بہت عظیم تھے۔ اس کے بعد کے واقعات انقلابانہ نوعیت کے تھے۔ سیاسی طور پر اس سے شمال میں اتنے بڑے پیمانے پر ہندوستانی قومی بیداری عمل میں آئی جس کی پہلے کوئی مثال نہ تھی، تمدنی لحاظ سے اس سے بہت سی ایسی چیزوں کی بنیاد پڑی جو بعد میں ہندوستانی فنِ تعمیر اور بت گری کی وسیع خصوصیتیں بن گئیں۔ اس واقع نے ہندوستانی اہلیتوں کو اتنی شدت سے بیدار کیا کہ تہذیب سندھ کے آغاز یا چھلاوے جیسے آریوں کی آمد کے بعد سے کسی واقعے نے نہیں کیا تھا۔

نقطۂ آغاز ۳۳۰ قبل مسیح سمجھا جا سکتا ہے جب آخری دارا کو فاتح کی حد
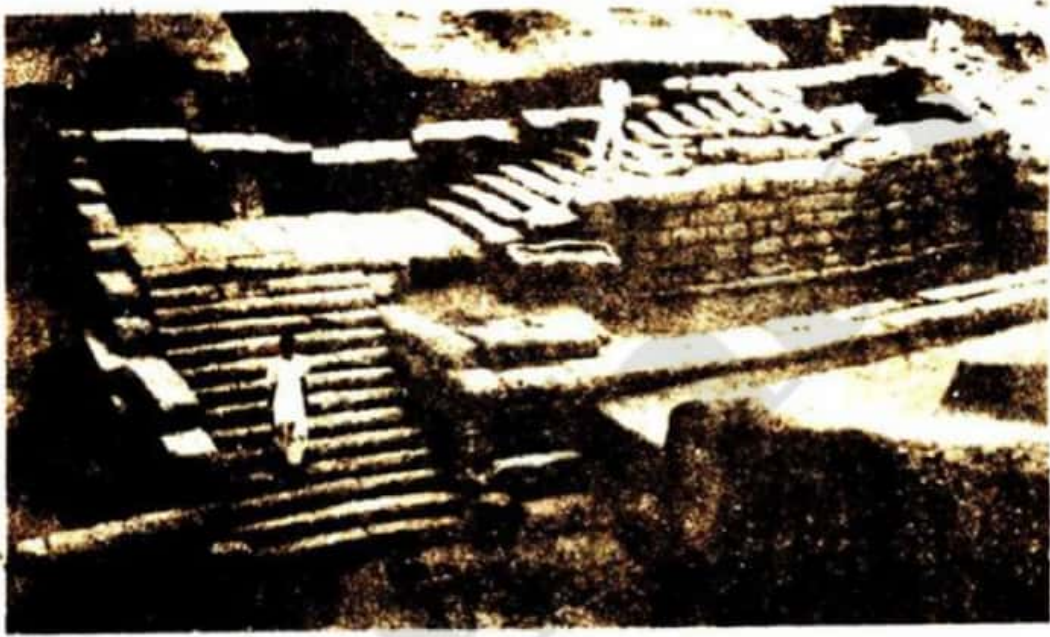
شنوائی کے اندر قتل کیا گیا تھا اور (اصطخر پولس) کے اس کے محل کو جلا دیا گیا تھا۔ فارس کے عظیم بادشاہوں کا دور ختم ہو چکا تھا۔ سکندر نے انسانیت اور ذاتی مفاد کے مخلوط مقاصد کے زیر اثر، فارس کے مفتوحہ شہروں کی حفاظت کرنے اور اپنے آپ کو خود ساختہ وارث مقرر کر کے اکامینی حکومت کو دوام بخشنے کی خواہ کتنی ہی کوشش کی، مگر وہ زمانے کی رَو کو پلٹ ہی نہیں سکتا تھا۔

یونانی ہند کے فارسی صوبہ جات پر دعویٰ جمانے کے لیے آگے بڑھے اور اس کے بعد دو صدیوں کی فیاضیانہ شاہی سرپرستی یک لخت ختم ہو گی۔ فارس کی قدیم فنکاری زنگ آلود ہو گئی۔

سلطنتِ موریہ

اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کا نقشہ کھینچنا مشکل نہیں ہے۔ سکندر پنجاب سے مغرب کی طرف لوٹ گیا اور ۳۲۳ قبل مسیح میں بابل میں مرگیا۔ ادھر اس کے مشرقی وارث سیلوکس کے مقابلے میں ہندوستانی قومیت حیران کن حد تک بیدار ہو گئی، اس قومیت کا قائد گنگا کنارے کی ایک چھوٹی سی ریاست مگدھ کا حکمراں چندر گپت تھا

جو موریہ خاندان کا پہلا راجہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنتِ فارس کے سابق صوبہ جات 'ہند' اور گندھارا کا علاقہ ہندوکش تک اس راجہ کے تحت آ گیا۔ اس طرح اس نے ایک وسیع نئے علاقے کی ملکیت حاصل کر لی۔ یہ علاقہ بنیادی طور پر غیر ایرانی تھا مگر لمبی مدت تک اس میں فارس کے طور طریقوں کا چلن رہا تھا۔ اس لیے یہ فارس والوں کے رواجوں اور خیالات کو پھیلانے کے لیے تیار ہو چکا تھا بلکہ اس کی مقامی زبان کے لیے سرکاری طور پر ایک فارسی رسم الخط کا استعمال کیا جاتا تھا۔

اب یہ اس وقت کی سب سے بڑی ہندوستانی سلطنت بن گئی تھی۔ خود تہذیب سندھ کی جتنی وسعت مانی جا سکتی ہے یہ اس سے بھی زیادہ وسیع تھی۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ ایک فاتح خاندان، جس کی دولت اور ترقی کی تمنا کے ہم پایہ کوئی مسدقہ روایتِ فن ابھی وجود میں نہیں آئی تھی، کی سرپرستی حاصل کرنے کا موقعہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہاں، اس نئے ہند میں فارس کے ماہرینِ فن اور کاملانِ ہند کے لیے ایک نیا گھر بن گیا تھا، اور اسی طرف وہ کھنچے چلے آئے۔

یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ ضرورت اور موقع کے اس سنگم سے جو ہند، فارسی دور شروع ہوا، اسی سے ہند میں پتھر کے فنِ تعمیر کا آغاز ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے بہت پہلے قبل مسیح تیسرے ہزار سالہ قرن میں بھی پتھر اور اینٹ کی عمارتیں بنتی تھیں اگرچہ جہاں تک ہمیں علم ہے ان میں شاید ہی کسی کے لیے "فنِ تعمیر" کی قابلِ فخر اصطلاح استعمال کی جا سکتی ہو۔ اس کے بعد ہند میں پتھر کی سب سے قدیم تعمیر جس کی اغلب تاریخ تعین کی جا سکتی ہے۔ جنوبی بہار کی پہاڑیوں میں پرانے راج گیر کے حفاظتی انتظامات تھے۔ ان کی لمبائی ۲۵ میل تھی اور یہ سلطنت مگدھ کی اس راجدھانی کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اس شہر کا بدھ اور مہاویر کے ساتھ جو تعلق بودھ اور جین متوں کی تشکیل کے ابتدائی دور میں رہا، اس کی وجہ سے اسے قبل مسیح چھٹی صدی میں بہت امتیاز حاصل تھا۔ اس تعمیر میں ایک لمبی دیوار شامل ہے جو بڑے بڑے بغیر تراشے پتھروں کی خشک چنائی سے بنی ہے۔ تھوڑی تھوڑی دور پر چوکور برج ہیں۔ (اس سے) فنِ تعمیر کے اعلیٰ احساسات کا اندازہ نہیں ملتا۔ لیکن جب مگدھ کے راجاؤں نے پانچویں صدی قبل مسیح میں گنگا اور سون ندیوں کے قریب کے میدانوں

(تصویر ۱۴۰) اجین میں جو ہندکے متبرک شہروں میں سے ہے ایک مقام پر تحفظاتی انتظامات دریا کے ساتھ ساتھ بنے تھے۔ ۴۰ فٹ بلند فصیل پر دریا کے بہاؤ کی زد کو کم کرنے کے لیے ترچھے رخ شہتیریاں گاڑ دی گئی تھیں۔ کناروں کی مختلف موقعوں پر مٹی اور پختہ اینٹوں سے مرمت کی گئی۔
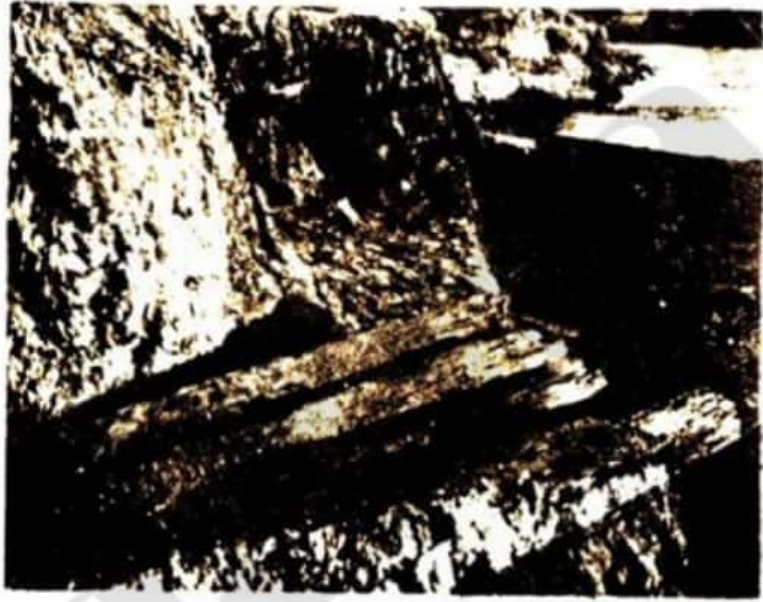
ہیں ایک نئی گڑھی تعمیر کی تو ایک نئے ڈھنگ کی بنیادیں رکھی گئیں۔ وہیں اب پٹنہ کا پھیلتا ہوا شہر واقع ہے۔ لگ بھگ ۳۲۰ قبل مسیح میں پہلے موریہ سمراٹ نے پاٹلی کی اس گڑھی کو وسعت دے کر پُرشکوہ راجدھانی پاٹلی پتر بنائی۔

یہاں آثارِ قدیمہ کے ماہرین کو زیرِ آب مقام پر دشوار حالات میں کام کرنا پڑا ہے۔ پھر بھی ان کی کاوشوں سے اس عظیم شہر کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے جس سے ان اکّا دکّا معلومات کی تصدیق ہوتی ہے جو ۳۰۲ء کے قریب موریہ دربار میں سیلوکس کے متعینہ سفیر میگاس تھینیز کے ذریعہ ہم تک گھوم پھر کر پہنچی ہیں۔ اس کے زمانے میں پاٹلی پتر شہر دریا کے ساتھ ساتھ نو میل سے زیادہ لمبائی میں پھیلا تھا اور اس کی چوڑائی ایک میل سے زیادہ تھی اس کی حفاظت کے لیے ایک ۲۰۰ گز چوڑی خندق تھی۔ اور لکڑی کا ایک جنگلا تھا جس میں مینار تھے اور تیر اندازوں کے لیے مورچے بنے ہوئے تھے۔

شاہی محل میں بہت سی ایسی خصوصیتیں تھیں جو" قابلِ ستایش ہیں اور جن کا نہ تو سُوسہ کی بیش بہا شوکت اور نہ ریکتبانہ کا جاہ و جلال کوئی مقابلہ کر سکتا ہے۔ باغوں میں پالتو مور اور چکور ہیں۔ کاشت کردہ پودے .... سایہ دار درختوں کے جھنڈ ہیں اور چراگاہیں ہیں جن پر پیڑ اگائے گئے ہیں اور درختوں کی ایسی شاخیں ہیں جنھیں ماہر فن باغبانوں نے

بڑی ہوشیاری کے ساتھ گوندھا ہے۔ نہایت خوبصورت تالاب بھی ہیں جن میں بہت بڑی بڑی مگر بے ضرر مچھلیاں رکھی جاتی ہیں۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ یہ ساری تصویر فارس کے "فردوس" کے تصور سے ملتی ہے اور اس کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ چندر گپت کے محل کا عام انداز کہاں سے آیا تھا۔

اس مقام کی اہمیت دیکھتے ہوئے یہاں ابھی کافی حد تک کھدائی نہیں ہوئی ہے پھر بھی ابتدائی کاوشیں بے کار نہیں گئی ہیں۔ ۲۷-۱۹۲۶ء میں بلند چوبی ڈھانچوں کے حصے ملے ہیں جو میگاس تھینز کی بیان کردہ قلعہ بندی کی عام طور پر تصدیق کرتے ہیں مگر زیادہ خصوصی اہمیت ان پتھر کے کام کے نمونوں کو حاصل ہے جو وقتاً فوقتاً برآمد ہوتے ہیں۔

بہت عرصہ پہلے ۱۸۹۶ء میں ایک ستون کا بالائی حصہ ملا تھا، جو فارسی ڈھنگ کا ہے اس پر محراب ٹکانے کی جگہ سیڑھی دار ہے۔ دونوں طرف سجادٹی بیلن سے ہیں۔ اور درمیان میں تاڑ کے پتوں کا روایتی نمونہ کندہ ہے۔ ۱۹۵۵ء میں ایسے ہی ستون کے سرے کا ایک ٹکڑا زمین کے نیچے سے پایا گیا تھا جس پر اکامینی تاڑ کا نمونہ اور منکے اور ریل کا ڈیزائن بنا ہے۔ یہ دوسرا ٹکڑا گھسا کر چمکایا گیا سینڈسٹون پتھر کا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد موریہ کے سنگتراش فارس والوں کی نقل پر پتھر کو چلا کرنے لگے تھے (مثال کے طور پر اصطخر میں دارا اور سرکسیس (XERXES) کے محل میں پتھر کا جو کام کیا گیا ہے وہ کئی جگہوں پر شیشے کی طرح چمکتا ہے) اس مقام سے ایک فرضی جانور کی، جس کا ایک حصہ عقاب کا اور ایک شیر کا ہے، دو پتھر کی شبیہیں ملی ہیں جو اسی طرح چمکیلی ہیں انھیں فارسی نمونے کے ایک تخت کے حصوں کے طور پر شناخت کیا گیا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں ایک بڑی عمارت کو کھود نکالنے کی ایک کام چلاؤ کوشش کے دوران اور زیادہ بڑے پیمانے پر فارسی خصوصیات کا انکشاف ہوا۔ یہ عمارت ۸۰ سے زیادہ ستونوں کی تھی اگرچہ ان ستونوں کے کچھ ٹکڑے ہی حاصل ہوسکے ہیں مگر ان پر بھی وہی چمک پائی گئی ہے۔ یہ شہادت تفصیلی طور پر تسلی بخش نہیں ہے، تو بھی یہ امرکافی واضح ہے کہ یہاں ایک فارسی طرز کا دیوان یا اپادان یا دربار ہال تھا اور ایک بار پھر ہمارے سامنے سوچ سمجھ کر اختیار کی گئی "فارسیت" ہے جو خیالات، اور بلاشبہ ماہرِ فن سنگتراشوں کی درآمد کی نشان دہی کرتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ پاٹلی پتر کے محل (کی تعمیر) کے لیے اکامینی سلطنت کے زوال کے بعد

(تصویر ۱۴۱) ہند میں بڑے پتھروں والے عہد کی بیشتر قبریں ملک کے جنوب میں پائی جاتی ہیں تصویر میں دکھائی گئی قبر میسور کے مقام برہم گیری میں ہے۔ یہ مثال گول سوراخ والے مدفن کی ہے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ ایسی قبروں کے سرہانے مشرق کی سمت گول سوراخ بنے ہوتے تھے جنکو بڑے پتھروں سے بند کر دیا جاتا تھا یہ قبریں گرینائیٹ یا کبھی کبھی تختے کی پتھروں کی بنی ہوتی تھیں۔ ان کے باہر پتھروں کا گول گھیرا ہوتا تھا، قبریں چھ فٹ لمبی ہوتی تھیں۔
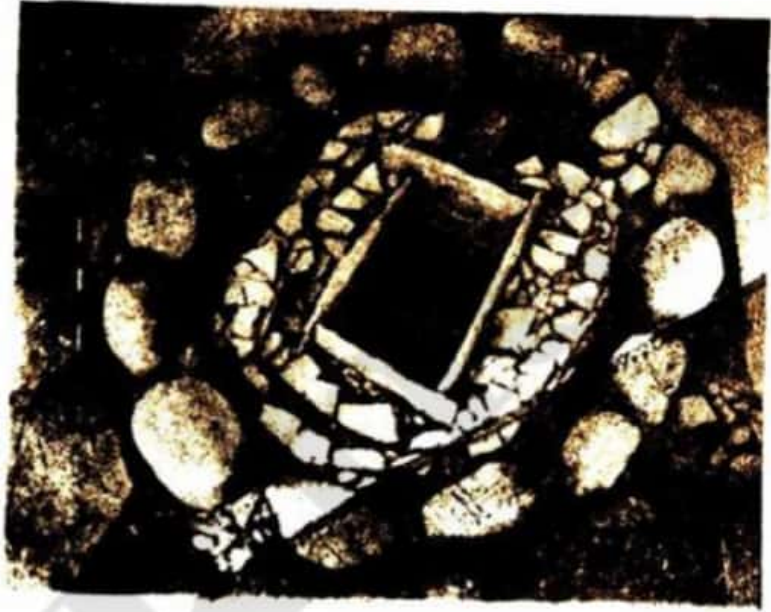
فارس سے آئے ہوئے کاریگروں کی پہلی پشت کے کچھ لوگوں کو ہی کام پر لگا دیا گیا ہو۔ لیکن اس وقت ہند، فارسی دور کے جو سب سے قدیم آثار موجود ہیں وہ دوسری تیسری پشت کے کاریگروں اور بیشتر ہندوستانی شاگردوں اور ان کی اولاد کی صناعی کا نتیجہ ہیں۔ یہ آثار وہ مشہور یادگاری ستون ہیں جن کی ابتدا میں تعداد ۳۰ سے زیادہ تھی جو چندر گپت کے پوتے اشوک اعظم نے بودھ مذہب اختیار کرنے کے بعد تیسری صدی قبل مسیح کے وسط میں نصب کروائے تھے۔ بعد میں ان میں سے بہت سوں پر اشوک کے صالح احکام کندہ کرائے گئے تھے لیکن جب وہ نصب کروائے گئے اس وقت ان پر کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ ان سے ایک پرانے ہندوستانی رواج کو ایک نئی صورت میں قائم رکھا گیا تھا، یہ رواج تھا کہ کسی بڑی فتح یا خاص قربانی کی یادگار کے طور پر کھمبے گڑوانا جو عموماً لکڑی کے ہوتے تھے۔ ایسے کھمبے کسی دیوتا کے اعزاز میں بھی نصب کرائے جاتے تھے اس کی مثال گرڑ دھوج ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس رواج کے پیچھے دنیا کے محور (World Axis) کا ہندوستانی عالمی تخیل تھا جو زمین اور آسمان کو جدا کرنے والا ایک ستون تصور کیا جاتا تھا۔ اشوک کے ستون عام دستور سے تین باتوں میں مختلف تھے۔ وہ سب کے سب پتھر کے تھے۔ وہ بودھ مت یا اس سے اخذ کردہ علامتیں لیے ہوئے تھے اور انھیں فارس کے خصوصی ڈھنگ سے چمکا کر اصطخر والے نمونے پر بنایا گیا تھا دوسرے الفاظ میں، یہ ہندوستانی حکمراں ایک

(تصویر ۱۳۲) افغانستان میں بیگرام سے پایا گیا ہرکولیس۔سراپیس کا کانسے کا بنا چھوٹا مجسمہ۔ اس میں اسے کھڑا دکھایا گیا ہے۔ ہاتھ ایک گانٹھوں والے عصا پر ٹکا ہے۔ سر پر "موڈیس" یا غلّے کا پیمانہ پہن رکھا ہے۔ یہ نشان عام طور سے جوپیٹر۔ سراپیس سے وابستہ ہے جسے غلّہ کی بہم رسانی اور مردوں کا دیوتا مان کر پوجا جاتا تھا۔

ہندوستانی تخیل کا اظہار کرنے کے لیے ایک غیرملکی یا نئے اپنائے گئے بیرونی انداز کا استعمال کر رہا تھا۔

جو ستون اب تک بچ رہے ہیں ان سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس دُہرے کام کو سرانجام دینے میں کامیاب رہا، اس مسئلے کا سب سے عظیم (نمونہ) سارناتھ کا شیروں والا ستون مناسب طور پر جمہوریۂ ہند کا سرکاری نشان بنایا گیا ہے۔ بدھ کے لیے شیر کا لقب اکثر استعمال کیا جاتا ہے اگرچہ اس سے پیشتر شیر ایک شاہی نشان تھا جسے فارس کی تعمیری سنگ تراشی میں بہت عزت کا مقام حاصل تھا۔

پہیہ جسے شیروں نے اٹھایا ہوتا تھا شہنشاہی حکومت کی ایک علامت تھی۔ بعد میں اسے بدھ نے بودھ دھرم چکر کے روپ میں اپنا لیا۔

اشوک کے ستونوں کی مذہبی علامتی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم ان کے فنِ تعمیر کے نقطۂ نظر سے وسیع تر اہمیت پر زور دینا چاہیں گے۔ وہ یہ ہے، ان ستونوں کا اوپری حصہ جو گھنٹی یا الٹے کمل کی شکل کا ہے۔ ایک طرف تو اپنی فارسی ابتدا کی نشان دہی

کرتا ہے اور دوسری طرف وہ موریہ عہد سے لیکر قرون وسطیٰ تک ہندوستانی تعمیری نظام میں عام ہوگیا تھا اور تب تک رہا جب تک چالوکیہ انداز کے خرادیا وجے نگر کی خمدار خیالی شبیہوں والی گھنی سجاوٹ کے نمونوں نے اس کا یہ مقام چھین نہیں لیا۔

مثال کے طور پر چھٹی صدی عیسوی میں بمبئی سے جنوب کی طرف برامی کے سنگ تراشوں نے (محراب کے ٹھہرانے کے چوکور) پایوں کے بالائی حصوں پر آدھے بیلن جیسی نیلوں والے جو سجاوٹی نمونے کاٹ کر بنائے تھے ان میں متذکرہ انداز کے عناصر موجود ہیں۔ اس طرح یہ انداز ہند میں اپنی ابتدا کے آٹھ صدیاں بعد تک مستقل رہا، اور دور جنوب میں پلوی اور چولا فن تعمیر کے سادہ یا متعدد رخوں والے ستونوں کے بالائی حصوں کا ڈھنگ بھی اسی دور دراز سے آئے ہوئے طریقہ پر اپنایا گیا ہے۔

ایران کے ساتھ فن تعمیر سے متعلق یہ ناطہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ ایران کی طرح، ہندوستان میں بھی ستون کے اوپر ٹکائی گئی محراب کا وزن عام طور پر ایک مستطیل بڑھے ہوئے حصے یا بریکٹ پر ڈالا جاتا ہے جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاتا ہے، جبکہ مغرب کے زیادہ کلاسیکی انداز کی تعمیروں میں یہ بڑھا ہوا حصہ مربع یا چوکور ہوتا ہے۔

مختلف عہدوں میں محراب کا وزن سنبھالنے والے ان بڑھے ہوئے حصوں (بریکٹوں) کی شباہت بدلتی رہی ہے اور ان کی کافی عہد تک وقت کے لحاظ سے تقسیم کی جا سکتی ہے۔ ان میں سے کچھ پر سجاوٹ کے لیے جانوروں کی دُہری یا پیٹھ سے پیٹھ جڑی شبیہیں کندہ کی گئی ہیں جو اکامینی انداز کے ستونوں کے بڑھے ہوئے حصوں پر کندہ دُہرے جانوروں یا جانوروں کے سروں اور گردنوں کی مورتیوں جیسی ہیں۔ ایسے ہی حصوں کی مزید مختلف شکلیں ملتی ہیں جو قدیم اور جدید ایران میں پائے جانے والے نمونوں سے بہت مشابہ ہیں۔

یہ شکلیں اتنی زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسے خصوصی انداز کی ہیں کہ ان سے فارس اور ہند کی تعمیری روایتوں میں گہرا تاریخی تعلق ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ہند نے اکامینی فارس سے کیا کچھ حاصل کیا اور اسے کس حد تک اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال لیا ان باتوں پر غور کرنے کا وقت ہمیں چٹانوں سے تراش کر بنائی گئی تعمیریں اور چٹانوں پر کندہ عبارتوں کو دھیان میں رکھنا ہوگا۔ قبل مسیح ساتویں صدی سے یا شاید اس سے بھی پہلے میڈیا اور فارس کی پہاڑی چٹانوں کو کاٹ کر ستونوں والے

وسیع کمروں کی شکل کے مقبرے بنائے جانے لگے تھے ۔ہند کے چٹان کاٹ کر بنائے گئے ستونوں والے مندر مشہور ہیں لیکن ہند میں چٹانوں سے بنی جن قدیم ترین عمارتوں کی تاریخ متعین کی ہے وہ اشوک کے عہد حکومت میں قریب ۲۵۰ قبل مسیح میں بہار میں گیا کے پاس پہاڑیوں میں تراشی گئی تھیں ۔ ابتدائی کاوشیں مقامی نمونوں کی نقل ہیں اگرچہ فارس کے انداز سے پتھروں کو چمکایا گیا ہے ۔سلسلہ وار فارسی ۔ ہندی انداز کیسے اپنائے گئے یہ بالکل واضح ہے ۔ مزید برآں دارا اول کا بیستون یا بہتون کا چٹانی نوشتہ لگ بھگ ۵۱۸ قبل مسیح کا ہے ۔ہند میں ۲۵۷ قبل مسیح میں یا اس کے بعد اشوک نے چٹانوں پر احکام کندہ کروائے ۔ ایسے چٹانی نوشتوں کی یہاں اس سے پہلے کوئی مثال نہیں تھی ۔ ان چیزوں میں موریہ خاندان کا یہ سمراٹ سوچ سمجھ کر ان عظیم بادشاہوں کے طریقوں کو نقل کر رہا تھا جن کی روایات کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری ایک طرح سے اس پہ آن پڑی تھی لیکن مشابہت محض تیکنک کی ہے فنی حسن یا روحانیت کے معاملے میں نہیں ۔ کہیں کہیں ایک لگا بندھا انداز ملتا ہے' اس کے سوا فارس کے مطلق العنان حکمرانوں کے یادگاری یا انتظامی بیانوں اور اتنے ہی مطلق العنان مگر معتدلانہ ؟ منکسر المزاج بودھ راجہ کی دھرم کی راہ پر چلنے کی نرم ہدایتوں میں کوئی یکسانیت نہیں ہے ۔

اس طرح سے ایک تہذیب نے دوسری تہذیب کے تاثرات قبول کیے ۔ اور ہند کا بدلتا ہوا تخیل مستعار لیے ہوئے طریقوں اور فارمولوں سے ثروت مند بھی ہوا اور اس عل میں تسلسل کا جو عنصر شامل ہے اس نے اسے تنظیم بھی دی ۔سلطنت فارس کے زوال اور سکندر کے یہاں سے گذرنے کے بعد کی صدی نے برصغیر کے تمدن پر جتنا گہرا اثر ڈالا ہے شاید اس سے زیادہ اثر ویسے ہی کسی اور عہد نے نہیں ڈالا ہوگا یوں تو ان واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پیشتر ہی شمالی ہند میں گنگا کے شہروں میں تہذیب کے بہت سے مادی عناصر موجود تھے ، لیکن اس کے بعد ہی کے دور میں چندر گپت اور اشوک کی قومی ذہانت نے' جس پر اشوک کے معاملے میں ہندوستانی روحانیت کا شدید تسلط تھا ، نئے دھاگوں کو جمع کر کے ان کا ایسا تانا بانا بنا کہ ایک طرح کے قومی انداز کی تخلیق ہوئی ، اسی عمل کا نتیجہ ہے کہ ۲۰۰۰ برس کے بعد کے ایک بڑے حصے میں ایک یک جہت تہذیب وجود میں آئی ۔

باب ششم

مشرقی۔ وسطی اور جنوبی ہندوستان

پاٹلی پُتر کے مشرق میں گنگا جمنا کے میدانوں کے مقابلے میں دُگنی اور تھوڑا سا آگے چل کر پانچ گنی بارش ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ وہاں کے گھنے جنگلوں نے تہذیب کی سہل پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالی۔ اس بات کی شہادت موجود ہے کہ جب جمنا۔ گنگا دو آب میں دھاتوں کا استعمال کرنے والے ابتدائی دور کے قصبات ایک حد تک تمدنی بلوغ حاصل کر چکے تھے اس کے بہت بعد تک بھی اِدھر بنگال میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ چھوٹے چھوٹے ایسے سماج موجود تھے جو بنیادی طور پر نو حجری دور جیسے حالات میں رہتے تھے۔ موجودہ شہادتوں کے مطابق برہم پتر کے دریائی نظام کے علاقے میں کہیں کہیں خاصے قصبے تبھی وجود میں آنے لگے جب تیسری صدی قبل مسیح میں موریہ سلطنت اپنی مضبوط تنظیم کے ساتھ مشرق کی طرف پھیلنے لگی۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ تک ایسے قصبات کی تعداد بہت تھوڑی رہی۔ ان میں سب سے زیادہ متاثر کرنے والے پنڈرانگر کے ٹیلے اور کھنڈرات ہیں۔ اس مقام کا موجودہ نام مہاستھان ہے۔ جو مشرقی بنگال کے بوگڑہ ضلع میں ہے۔ پنڈرانگر پنڈروں کی راجدھانی تھی۔ وہ ایک قدیم گروہ کے لوگ تھے جنھیں آریہ حملہ آور، پنجاب کے دشیوں کی طرح حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس مقام کی ابھی تک کافی گہرائی میں کھدائی نہیں ہوئی ہے۔ اس کے جو بھی آثار ابھی تک علم میں آئے ہیں وہ زیادہ تر گپت عہد (چوتھی سے ساتویں صدی عیسوی) کے ہیں لیکن ایک اہم چٹانی نوشتہ ملا ہے جو موریہ عہد (تیسری صدی قبلِ مسیح) کا مانا جاتا ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت یہ مقام ایک انتظامی مرکز تھا اس میں بنگال میں سیلاب
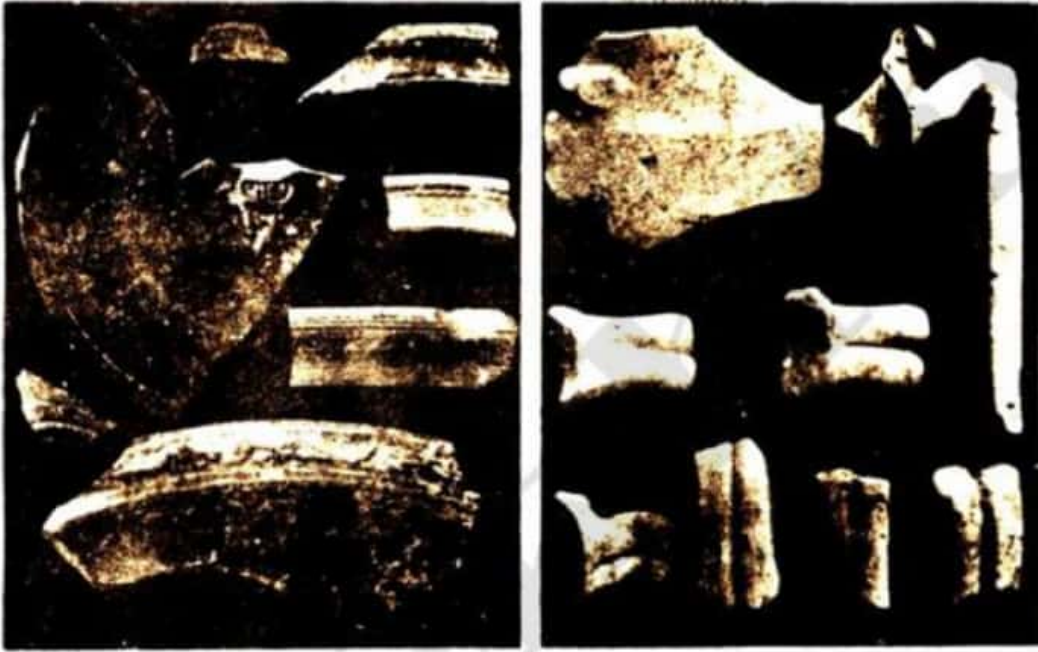
(تصویر ۱۴۳-۱۴۴) اریکم کے مٹی کے برتن۔ بائیں تشکیلی میں واقع اریکم کے چمکیلے سرخ دسترخوان کے برتن۔ یہ مشرق کے ساتھ تجارت کے دوران رومن سلطنت کی سرحدوں سے بہت دور تک پہونچے۔ یہ ٹکڑے پانڈیچری کے پاس اریکامیڈو میں پائی گئی ہیں۔ بائیں طرف درمیان میں برتن کے زیریں حصے والی تصویر پر کمہار کا نشان ہے۔ دائیں جانب اسی مقام پر بحرہ روم کے خطے کے دو طرفہ دستوں والے خصوصی قسم کے شراب کے مٹکوں کے ٹکڑے بھی ملے ہیں۔ یہ برتن اونچے ہوتے تھے اور ان کے پیندے تیکھے ہوتے تھے عہد قبل مسیح پہلی صدی سے پہلی صدی عیسوی۔

کے عام خطرے کا ذکر ہے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ پنڈرانگر کے ناظم حکومت نے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے محفوظ ذخیرے میں سے، جو بظاہر اسی مقصد کے لیے رکھا جاتا ہوگا، لوگوں میں دھان بانٹنے کے بارے میں کیا اقدامات کیے اس ذخیرے کو بہتر وقت آنے پر جنس اور سکّے دونوں کے ذریعے بھرا جاتا تھا۔ زمانۂ قدیم میں سکّے کے چلن کا یہ تذکرہ دلچسپ ہے۔ یہ سکّے غالباً سانچے میں دبا کر چھاپ ڈالنے کے طریقے سے بنے ہوئے (Punch Marked coins) اسی نوعیت کے تھے جو بنگال میں اور ہند کے دوسرے حصوں میں بھی اکثر پائے گئے ہیں۔ یہ نوشتہ کافی تاریخی دلچسپی کا ہے۔ کیونکہ اس سے انتظامی سمجھ بوجھ کے اس عہد کی اقتصادی زندگی کی ایک جھلک ملتی ہے۔

مشرقی ہند میں موریہ عہد کی شہری توسیع کی مزید مادی شہادتیں حاصل کرنے کے لیے ہمیں فی الحال رزمیہ کی طرف رخ کرنا ہوگا۔ وہاں بھوبنیشور کے مندروں والے شہر کے نواحی علاقے میں کھدائی کرنے سے ایک قلعہ بند مقام کا پتہ چلا ہے جس کا نام شِشُوپال گڑھ ہے۔ برآمد شدہ آثار سے اس کی تاریخ ابتدا تیسری صدی قبل مسیح ظاہر ہوتی ہے اس کی پلان بہت صحیح مربع شکل کی ہے جس کی ہر طرف پون میل لمبی ہے۔ قلعہ بندی بنیادی طور پر ۳۰ فٹ بلند مٹی کی فصیل پر مشتمل ہے۔ ہر طرف ڈرامائی انداز سے باہر کو نکلے ہوئے دو دو پتھر کے دروازے ہیں جو سبھی جانب سے مساوی پیمائش کے مطابق بٹھائے گئے ہیں۔ ایسا جان پڑتا ہے کہ قلعہ بندی کی مزید مضبوطی کے لیے ان کے ساتھ پشتی دروازے بھی تھے۔ یہ آٹھ صدر دروازے جس باقاعدہ وقفے پر رکھے گئے ہیں اس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ایک دوسرے کو مربعوں میں کاٹتی ہوئی سڑکوں کا ایک ترتیب وار پلان تھا۔ ہر صدر دروازے کی ساخت کئی حصوں پر مشتمل ہے۔ آگے پیچھے دو دروازوں کے علاوہ ایک طرف کو پیدل چلنے والوں کے لیے گذرنے کا راستہ ہے۔ دونوں جانب دیواریں یا لڑنے کے چبوترے ہیں۔ ساری تعمیر بڑی کاریگری کے ساتھ سُرخ بھربھری مٹی والے بلاکوں سے کی گئی ہے بظاہر یہ تعمیر قلعہ بندی کے ایک ابتدائی عہد سے متعلق ہے لیکن اس امر کی تصدیق ہونی باقی ہے۔

اس طرح کا منظم پلان ہندوستانی فنِ تعمیر میں غیر معمولی ہے۔ اس سے فوجی طرزِ فکر اور بھرپور وسیلوں کی نشان دہی ہوتی ہے۔ تیسری صدی قبلِ مسیح کے دوران سب سے مناسب ایسا موقعہ قریب ۲۶۴ قبلِ مسیح میں اس علاقے کے کلنگوں پر اشوک کی مشہور فتح کے فوراً بعد ملا ہوگا۔ ایسے وقت میں قیامِ امن کے ایک تہذیبی ذریعے کے طور پر اس طرح کے شہر کی بنیاد پڑنا یا پرانی بنیادوں پر دوبارہ وجود میں آنا حالات کے عین مطابق ہوگا۔ یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ اس جنگی مہم میں جو قتل و غارت گری ہوئی تھی اُس نے اشوک کو ایک ثابت قدم، امن پسند حکمراں بنا دیا تھا اور بودھ مت اختیار کرنے پر قائل کیا تھا۔ چنانچہ تاریخی لحاظ سے یہ غیر اغلب ہے کہ ۲۶۴ قبل مسیح کے بعد کی پر امن نصف صدی کے دوران اس قلعے والے شہر کی تعمیر ہوئی ہو اور اس تاریخ سے پہلے اس کے وجود میں آنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ مزید کھدائی یقیناً کارآمد ثابت ہوئی شِشُوپال

گڑھ اس معاملے میں واحد مقام نہیں ہے۔ بظاہر اسی وقت میں جنوبی اڑیسہ کے گنجام ضلع میں جوگڑا کے مقام پر ایک ایسی جگہ کے اوپر لوہے کے زمانے کا تمدن اور ۲۵ فٹ بلند مٹی کی فصیل کے آثار ملتے ہیں جہاں پہلے پتھر کے کلہاڑے استعمال کرنے والے دیہاتی بستے تھے۔ جوگڑا، ششوپال گڑھ سے کم معروف ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بھی ویسے ہی مسائل درپیش ہیں یہاں بھی کسی روز کھدائی سے اشوک اعظم کی زندگی میں آنے والے موڑ کے وقت اس کے خیالات پر زیادہ روشنی پڑ سکے گی۔

شمال مشرق کے مقابلے میں وسطی ہند میں شہروں کا ارتقا زیادہ آزادی کے ساتھ ہوا اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گنگا کے میدان کی نسبت دیر سے شروع ہوا۔ مالوہ میں نربدا کے ساتھ ساتھ اور وسطی خطے کے دوسرے حصوں میں قریب ۲۰۰۰ اور ۶۰۰ قبل مسیح کے بیچ کام کاج میں مصروف دیہی سماجوں کے بارے میں اوپر کچھ کہا جاچکا ہے۔ یہ سماج پتھر اور دھات دونوں کے اوزاروں کا استعمال کرتے تھے۔ بیشتر چھوٹے پتھر کی تیکنیک کا رواج تھا، ساتھ میں تھوڑا سا تانبا بھی کام میں لایا جاتا تھا جو بہت کمیاب تھا جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے۔ یہ بات لگاتار واضح ہوتی جاتی ہے کہ ان تمدنوں کے نمایاں طور پر مقامی اور اکثر زندگی کے جوش سے بھرپور عناصر کی تہہ میں شمال مغرب کے پتھر اور دھات دونوں کا استعمال کرنے والے تمدنوں کے ساتھ ایک حد تک یگانگت موجود ہے۔ چقماق یا سنگ یمانی کے اوزاروں کے پھلوں یا تانبے کے چپٹے کلہاڑوں (تصویریں) کی طرح مٹی کے برتنوں میں بھی اس تعلق کی ایک رو ہے جو مغربی ساحل پر نیچے کی طرف دھیرے دھیرے اور رُک رُک کر چلی ہے۔ ہاں، مقامی تبدیلیاں اور تجربے بھی ہمیشہ ہوتے رہے ہیں۔ اور تب ۵۰۰ قبل مسیح سے تھوڑا پہلے یا بعد جمنا گنگا دو آب کی ترقی یافتہ شہری تہذیب بھی وہاں پہنچ گئی۔

ایک اہم مقام اُجین ہے جہاں حال ہی میں کھدائی ہوئی ہے۔ اُجین ہند کا ایک متبرک شہر اور اونتی (موجودہ مالوہ) کی قدیم سلطنت کی راجدھانی تھا۔ یہ مقام چمبل کی ایک معاون ندی کشپرا کے کنارے واقع ہے۔ خود چمبل جمنا کا ایک معاون دریا ہے۔ اُجین دو آب سے بحرۂ عرب تک کی شاہراہ پر ایک اہم مرکز تھا اور ایک ترقی یافتہ شہر کی حیثیت سے تہذیب گنگا کی ایک ابتدائی شاخ تھا۔ یہ شہر لگ بھگ مخمس پلان پر بنا ہے جس کے بڑے محور

قریب ایک میل ملے تھے ۔

مٹی کی بہت بڑی فصیل بنیادی حصے میں ۲۵.۰ فٹ چوڑی ہے اور ۴.۰ فٹ سے زیادہ اونچی ہے ۔ ندی کے ساتھ جہاں پانی کا پورا زور پڑتا تھا اس فصیل میں ترچھے شہتیر پیوست ہیں جو بہاؤ کی شدت کو توڑتے تھے تعمیر کے بعد کے زمانے میں مٹی اور پختہ اینٹوں دونوں کی مدد سے اس فصیل کی مرمت کی گئی تھی ۔ فصیل کے باہر، سوا اس حصے کے جہاں ندی بہتی ہے، ایک بڑی خندق تھی ۔ شروع میں یہ اوپر سے ۱۰.۰ فٹ چوڑی تھی اور اس کی گہرائی ۲.۰ فٹ تھی ۔ فصیل سے جو اشیا برآمد ہوئی ہیں ان میں رنگ کیے ہوئے سلیٹی مٹی کے برتنوں کے دو ٹکڑے بھی ہیں ۔ جنوب کی سمت میں یہ آخری مقام ہے جہاں پر ایسے ٹکڑے ملے ہیں ۔ ان کے علاوہ متعلقہ تہوں میں سے سب سے نچی تہہ میں لوہا ملا ہے حفاظتی قلعہ بندی کے اندر پتھر اور پختہ اینٹوں کی عمارتیں تھیں ۔ اور چکروں والے کنویں یا گندہ پانی سکھانے کے گڈھے تھے ۔ یہ پہلے دیکھا جا چکا ہے کہ اس طرح کے گڑھے یا کنویں قبل مسیح پہلے ہزار سالہ قرن کے دوسرے نصف حصے سے ہندوستانی شہروں کی خصوصیت بن چکے تھے ۔ ایک دروازے کے اندر سڑک پر روڑی کوٹ کر اسے پختہ بنایا گیا تھا اور بعد میں اس پر کئی بار روڑی کوٹی گئی تھی ۔ اس سڑک پر چھکڑوں کے چلنے کے نشان ہیں جو متواتر ۵ فٹ نو انچ چوڑے ہیں ۔

اب تک جو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمالی میدانوں کی تہذیب کی اجین میں توسیع مقابلتاً اچانک ہی وجود میں آئی تھی ۔ اگر اس سے پہلے بھی یہ مقام آباد تھا تو یہ چھوٹے قصبے یا گاؤں کی نوعیت کی ایک مقامی بستی ہوگی ۔ مزید جنوب کی طرف مہیشور میں جو آثار ملے ہیں وہ کافی واضح ہیں ۔ یہاں اجین والی شاہراہ نربدا کو پار کرتی تھی اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، دریا کے دونوں طرف پتھر اور دھات دونوں کے اوزار استعمال کرنے والوں کی خاصی بڑی اور کافی لمبی مدت تک آبادی رہی ۔ تب اس آبادی کے مقابلتاً زیادہ شمالی مقام، مہیشور پر تہذیب گنگا کی پوری ارتقا یافتہ ٹیکنالوجی اچانک آموجود ہوئی ۔ نچلے اور اونچے درجے کے تمدنوں کے درمیان کوئی عبوری دور نہیں ہے، ایک دم ہی اونچا تمدن حاوی ہوگیا ۔ اس کا ۲.۰ فٹ جماؤ ہے، اس میں عمارتیں، گندہ پانی سکھانے کے گڑھے، لوہے کے اوزار، شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتن اور تنظیم کی نشان دہی ۔

والا سامان پایا گیا۔ ایسے سامان میں دبا کر چھاپے گئے سکے بھی شامل ہیں۔ یہ سکے منظم تجارت کے شاہد ہیں جو اس سے پہلے پتھر اور دھات دونوں کے اوزاروں والے عہد میں بالکل نہیں ہوتی تھی۔ اس بات پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں کہ وسطی ہند میں تہذیب اچانک طور پر ظہور میں آئی۔ یہ جمنا گنگا دوآب سے دندھیا چل کے سلسلۂ کوہ میں سے گذرتے ہوئے قدرتی راستوں کے ذریعے دریائے نربدا تک پہونچی جو کہ وسطی ہند میں مشرق سے مغرب تک کھنچا ہوا ایک خط محوری ہے۔ یہ عمل پانچویں صدی قبل مسیح کی ابتدا تک ظہور پذیر ہو چکا تھا۔

دور دکن اور ہندوستان کے جزیرہ نمائی خطے میں تہذیب کی توسیع بنگال اور اڑیسہ میں اس کے پھیلاؤ، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے، کے متوازی رہی۔ اس کا عہد تیسری صدی قبل مسیح سے پہلے تصور کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اور یہ سمجھنا محض قیاس ہی نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہوگا کہ اس کی دکنی توسیع اشوک کے باپ ہندوسار کی موریہ سلطنت کے جنوبی پھیلاؤ کے ساتھ تعلق رکھتی تھی۔ جو اس صدی کی ابتدا میں عمل میں آیا۔ دو شہری مقامات پر اس جزیرہ نمائی تہذیب کی نمایاں خصوصیات کا بغور مشاہدہ کیا گیا ہے۔ یہ جگہیں ہیں۔ آندھرا پردیش کے رائچور ضلع میں ماسکی اور مزید جنوب کی طرف میسور ریاست میں برہم گری، جس کا قدیمی نام اِسلا تھا۔ ان دونوں مقامات پر اشوک کے احکام چٹانوں پر کندہ پائے گئے ہیں۔ دونوں جگہ تہذیب کی آمد لوہے کی آمد کے ساتھ ہوئی ہے۔ دونوں جگہوں پر کالے لال مٹی کے برتن برآمد ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ہم نے دیکھا ہے۔ اس قسم کی صناعی کی جڑیں سوراشٹر اور راجستھان کے پتھر اور دھات دونوں کے اوزاروں کا استعمال کرنے والے تمدن میں ہیں اور اب یہ جنوبی توسیع کی بڑی رو کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے۔

ہاں کچھ علاقوں میں یہ صناعی در اصل اس توسیع سے پہلے پہونچ چکی تھی۔ — دونوں مقامات پر مردوں کی آخری رسوم میں بڑے بڑے پتھروں کی تابوتی قبریں یادگاریں بنانا شامل تھا جن کی ابتدا کا مسئلہ ابھی طے نہیں ہوا ہے مگر یہاں پر اس پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

دونوں جگہ مختلف سامان سے بھرپور لوہے کے زمانے اور اس کے نیچے کی پتھر اور دھات دونوں کے اوزار استعمال کرنے والے دور یا پتھر کے زمانے کے پچھلے عہد والی تہہ ہیں، جو تیسرے ہزار سالہ قبل مسیح قرن تک پیچھے جاتی ہے، بہت

زیادہ تمدنی فرق ہے۔ اب سے جزیرہ نمائے خطہ تہذیب کی بڑی رو میں شامل ہو چکا تھا۔ ہاں پہاڑوں اور جنگلوں میں ایسے علاقے موجود تھے جو اس سے کٹے ہوئے تھے۔ ایسے علاقوں میں زمانۂ جدید تک قدیمی قبائلی سماج آباد رہے ہیں جو ہند میں قدیم طرزِ زندگی کی ایک مانوس نشانی ہیں۔

لیکن ہند میں تہذیب کے فروغ کی داستان یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اس بڑی رَو کی ایک اور معاون لہر کا بھی ذکر کرنا ہوگا۔ توی یونانی۔ رومن تجارت کے ذریعے ایک صدی قبل مسیح یا پہلی صدی عیسوی سے یورپ کا نفیس سامان پہونچ رہا تھا اور آپس میں رابطے قایم ہو رہے تھے۔ اس سامان کے بدلے میں مقامی ہندوستانی کپڑا، کم قیمت نگینے، موتی اور ان سب سے زیادہ اہم گرم مسالے اور کبھی کبھی چینی ریشمی کپڑا بھی بھیجا جاتا تھا۔ اس تجارت کے بارے میں معلومات ہمیں یونانی، رومن اور ہندوستانی ادب سے حاصل ہوئی ہیں۔ مادی معلومات اتنی وسیع نہیں مگر یقینی ضرور ہیں۔ تجارتی جہاز جنوبی ہند کے دونوں ساحلوں پر پہونچتے تھے۔ کئی ایسے مقامات کے متعلق ثبوت موجود ہیں۔ ان میں سے ایک مقام موزیرس (غالباً کرینگانور' جو کوچین میں ساحل کے اندر کی طرف کے کٹاووں پر واقع ہے) چوتھی صدی کے ایک نقشے میں جسے Pewtinger Table کہا جاتا ہے "اگسٹس کے مندر" کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یہ مندر ابھی تک نہیں مل سکا ہے لیکن اس کی دوسری جانب کورومنڈل ساحل پر ہندی' فرانسیسی شہر پانڈی چیری (قدیم نام پڈوچری یا نیا شہر) کی شناخت بطلیموس (ٹولیمی) اور یونانی تصنیف پیری پلس کے نائی شہر سے کی گئی ہے۔

کھدائی کرنے والوں نے قریب ہی اس قدیم شہر کی جگہ تعین کی ہے۔ (اس جگہ کا موجودہ دیہاتی نام 'اریکامیڈو' ہے)

یہ دلچسپ بات ہے کہ یہاں خاص مقامی نوعیت کے گاؤں کی جگہ اینٹوں کا بنا خاصا بڑا قصبہ ٹھیک اُس وقت وجود میں آیا جب مغربی تجارتی مال بڑی مقدار میں پہونچنے لگا۔ اس میں دو طرفہ دستوں والے شراب کے مٹکے اور ٹسکینی میں ارٹیئم میں بنی کھانے کی میز کے شوخ لال رنگ کے برتن بھی شامل تھے۔ ان میں سے کچھ مٹکوں میں ان کے زمین میں سے برآمد کیے جانے کے وقت بھی بیروزے جیسے ایک مادے کی تہہ جمی

ہوئی تھی جو یقیناً ان میں بھری گئی شراب کی وجہ سے پیدا ہوگئی تھی ۔ یہ ریشنیا یا بیروزے والی دہی شراب بھی جواب بھی، بحرِ روم کے یونانی سرے پر سیاحوں کے لیے کشش یا ناپسندیدگی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یورپین تہذیب کے مرکزوں سے ہونے والی اس تجارت کا جو تاثر ہوا اس سے کسی نہ کسی طرح سے اسالیبِ ہند کے ارتقا اور زاویہ نگاہ کی وسعت میں مدد ملی، جس سے برِصغیر کے جنوبی حصے میں شہری زندگی کی ترقی کی رفتار، جو کچھ سست سی تھی، تیز ہوئی ۔

خلاصہ

آیئے آخر میں ڈھائی ہزار برس کے عرصے میں اور ایک عظیم برصغیر کے ۲۰ لاکھ مربع میل رقبے میں شہری زندگی کے اس مسلسل پھیلاؤ کی داستان کا خلاصہ کریں۔ یہ کہانی قبل مسیح تیسرے ہزار سالہ قرن کے وسط میں شروع ہوئی جب میسوپوٹیمیا میں پروان چڑھے سماجی خیالات کا بیج بلوچستان، سندھ سرحدی خطے کے کچھ پتھر اور دھات دونوں کے اوزاروں والے محدود مگر سرگرم سماجوں میں پڑا، اس سے بظاہر اچانک ہی ہندوستانی تہذیب کے دور اوّل کی نمود ہوئی، جو بالخصوص وادی سندھ کی تہذیب تھی۔ تیسرے ہزار سالہ قرن کے اختتام تک تہذیب سندھ شمال میں مکران سے لے کر خلیج کھمبات اور مزید جنوب کی طرف نربدا۔ تم کے دہانوں تک مغربی ساحلی علاقوں پر حاوی ہو چکی تھی۔ یہ عمل یا تو خود بہ خود پھیلاؤ سے یا (تجارتی یا دیگر) دباؤ سے ظہور میں آیا۔ اس کی ٹھیک ٹھیک نوعیت تعین نہیں کی جا سکتی۔ یقیناً دوسرے ہزار سالہ قرن کے وسط سے بہت پہلے (قریب ۱۷۰۰ قبل مسیح) اندرونی تنزل شروع ہوا۔ اس عمل کو شاید ارضیاتی تبدیلیوں اور وقت وقت پر آنے والے سیلابوں نے بڑھایا۔ اس تنزل سے کم از کم موہن جو داڑو میں، حملہ آوروں کے ہاتھوں تشددانہ انجام کے لیے ماحول تیار ہوا۔ آیا یہ حملہ آور وہی خانہ بدوش آریہ تھے جن کے پنجاب میں گھس آنے کا پتہ ویدک رچاؤں سے چلتا ہے۔ یہ قیاس کا معاملہ ہے۔ مگر ان کے کارناموں کا جو ذکر تحریر میں موجود ہے اور آثار قدیمہ کی تحقیق سے جو شہادتیں ملی ہیں ان میں ایک طرح کا متوازی پن ہے۔

سندھ میں چانہو داڑو اور آمری میں اس تہذیب کے بعد کمتر درجے کے تمدن وجود میں آئے جن کا کچھ تعلق شمال مغربی ایشیا سے تھا۔ دریں اثنا جنوب اور مشرق میں کاٹھیا واڑ کے ساحل کے ساتھ ساتھ یا سوراشٹر میں خاصے مختلف نتائج ظہور

پذیر ہوئے۔

یہاں سندھ ہڑپہ کی پختہ تہذیب نے ایک نئی شکل اختیار کی اور چھوٹے قصبے کا ایک نیا دور شروع ہوا جس میں پتھر اور دھات دونوں کے اوزار استعمال ہوتے تھے اور جس کا وسطی ہند میں قبل مسیح دوسرے ہزار سالہ قرن کی دیہی زندگی کے ساتھ تعلق ظاہر ہوتا ہے۔ اس ہزار سالہ قرن میں کسی وقت ایک ارتقایافتہ اور انفرادی خصوصیات کی حامل تانبے کی صنعت ہونے کے ثبوت ملے ہیں جس کا مرکز گنگا کے میدانوں میں تھا لیکن ابھی یہ طے نہیں ہو سکا ہے کہ یہ صنعت کس ماحول میں پروان چڑھی۔ اتنا ہی مبہم مگر وسیع تر اہمیت کا حامل اس ترقی پذیر شہری زندگی کا آغاز ہے جو اسی خطے میں قبل مسیح پہلے ہزار سالہ قرن کے اولین نصف حصے میں ظہور پذیر ہوئی۔ وہاں ہندوستانی بہادرانہ قصوں کی سرزمین پر، تہذیب ہند کا دوسرا دور شروع ہوا اور پنپا؟ اسے گنگا کی تہذیب کہنا معقول ہی ہوگا اس دور سے لوہے کے استعمال کی ابتدا اور شمالی میدانوں میں مسلسل تہذیب کا آغاز ہوا۔ لگ بھگ ۵۰۰ قبل مسیح تک اس کی خصوصی صنعت بہت انفرادی انداز کے سلیٹی رنگ کیے ہوئے برتن تھے۔

چھٹی صدی قبل مسیح کے دوسرے نصف حصے میں فارس کے اکامینی بادشاہوں کی سلطنت کی توسیع کے ساتھ نئے تہذیبی تاثرات برصغیر کے شمال مغربی سرے پر پہونچے۔ ان سے متذکرہ بالا شہری ارتقا کے اہم عمل کو قوت اور فروغ ملا۔ سلطنت فارس نے سرحدی علاقوں میں جو بستیاں بسائیں اُن سے آس پاس کے تجارتی راستوں کا تحفظ ہوا۔ ان شاہراہوں کے ساتھ ساتھ واقع شہر کابل کے پاس بیگرام، پشاور کے پاس چارسدہ اور راولپنڈی کے پاس ٹیکسلا۔ خوشحال ہوئے اور نیا سامان استعمال میں آنے لگا جس میں سکے بھی شامل تھے۔ ان برکات کے دوآب کے شہروں تک پہونچنے میں، جو اب خوب ترقی کر رہے تھے، زیادہ دیر نہ لگی۔ یہاں پچھلے دور میں عام پائی جانے والی کچی اینٹوں کی تعمیروں کی جگہ پختہ اینٹوں کی خاصی بڑی عمارتیں بننے لگیں اور شاید اتفاقی طور پر، لوہے کے سامان پر پائی جانے والی چمک کی نقل میں، شمالی سیاہ پالش والے مٹی کے برتنوں کی مشہور صنعت وجود میں آئی۔ ان برتنوں پر بھی فولاد جیسی چمک ہوتی تھی یہ مستقبل کے ماہرین آثار قدیمہ کے لیے ایک پیغمبرانہ امداد کی مانند تھے۔ ابتدا میں ان نئے طریقوں اور تیکنیکوں سے گنگا کے عظیم میدانوں میں کسی طرح

کا انقلاب ظہور میں نہیں آیا۔ بلکہ ان سے ان ہی تہذیبی رجحانوں کو تقویت ملی اور ان کی توسیع ہوئی جو وہاں پہلے سے عمل پذیر تھے۔ ۵۰۰ قبل مسیح اور خاص کر ۲۰۰ قبل مسیح کے بعد کا عہد اقتصادی اور تمدنی آسودگی کا دور تھا۔ یہ رجحان موریہ سلطنت کے وقت معراج پر پہونچا جو سکندر اعظم کے گذرنے کے بعد سلطنتِ فارس کی 'جانشین ریاست' کے بطور رہی۔ موریوں نے اکائینی سلطنت کے سیاسی اور تمدنی نظریوں کو وراثت میں پایا اور انھیں نئے روپ میں ڈھالا اور فارس کے بے روزگار اہلِ فن سے اچھی طرح استفادہ کیا۔ اس طرز عمل کی ایک قابلِ ذکر مثال فنِ تعمیر کے فارسی نمونوں کی درآمد تھی جن کا اثر قرون وسطیٰ تک ہند کے مذہبی طرزِ تعمیر پر پڑتا رہا۔

عہد تین کو عہد دو کا ایک ذیلی عہد کہنا بہتر ہوگا۔ یہ گنگا کی پختگی پذیر تہذیب کی وسطی ہند کی جانب جنوبی توسیع تھی خاص کر وادیٔ نربدا کی طرف، جس کے ذریعے مغربی ساحل کی بندرگاہوں تک رسائی حاصل کی گئی۔ یہ توسیع قبل مسیح پانچویں صدی میں یا اس سے پیشتر ہوئی۔ شاید یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ یہ توسیع اس ذہنی اور روحانی عروج کا مادی پہلو تھی جو گنگا کے میدانوں سے ہی نکلے بودھ اور جین مذاہب کے ارتقاء کی شکل میں نمودار ہوا۔

عہد چار زیادہ ٹھوس نوعیت کا تھا اگر موجودہ شہادت کا صحیح مطلب سمجھا گیا ہے تو یہ دراصل تیسری صدی قبل مسیح کی ابتدا میں موریہ سلطنت کی گنگا سے جنوب کی طرف توسیع کا ایک نتیجہ تھا۔ پتھر اور دھات دونوں کا استعمال کرنے والے تمدنوں کا ایک مجموعے پر، جس میں چھوٹے پتھروں کے اوزاروں کے چلن کا قوی رجحان تھا، گنگا کا مکمل طور پر ترقی یافتہ لوہے کا عہد چھا گیا جس کی نمائندگی اتنی مختصر مدت بعد والے لوگ کر رہے تھے کہ وہ مقامی روایات سے متاثر ہو گئے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انہوں نے شمالی تہذیب کے آہنی نظم و ضبط کو (واقعتاً) ان پر حاوی کر دیا۔

وقتی طور پر یہ پیش قدمی شمالی میسور میں رُک گئی لیکن بعد میں جزیرہ نما کے جنوبی سرے تک پہونچ گئی۔ پہلی صدی عیسوی تک یہ تہذیب وہاں مکمل طور پر قایم ہو چکی تھی اور ساتھ ہی دُور دراز تک ترقی انسزا غیر ملکی رابطے قایم ہو چکے تھے۔ لگ بھگ اسی زمانے میں یعنی تیسری صدی قبلِ مسیح کے قریب اس تہذیب کا مشرقی گھاٹوں کے ساتھ ساتھ ساحلی میدانوں میں

نیچے کی طرف پھیلاؤ بھی شروع ہوا ۔ ۲۶۴ قبل مسیح میں کلنگوں پر اشوک کی مشہور فتح اس سلسلے میں ایک اہم واقعہ ہے۔ جنوب میں دریائے کرشنا کے کنارے واقع مشہور مقام امراوتی تک گنگا کی شمالی سیاہ پالش والے برتنوں کی صنعت جا پہونچی ، شمال سے جنوب کی طرف دھیرے دھیرے ہونے والی توسیع کا یہ خاکہ معقول بھی ہے اور اس میں یک جہتی بھی ہے۔ اس کے بعد سے ہند کی تہذیب مناسب اور بنیادی طور پر تاریخ داں کے مطالعے کا موضوع بن جاتی ہے۔ علم آثار قدیمہ کے ماہرین کا رول اب کم ہو جاتا ہے اگرچہ اس کی افادیت موجود رہتی ہے۔